سلطان احمد شاہ بہمنی

مرتبۂ

مولوی محمد ظہیر الدین صاحب ایم، اے (عثمانیہ)

سنہ ۱۹۳۷ء

دفعۂ اوّل

قیمت [illegible]

مطبوعہ

مکتبۂ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد دکن

سلسلۂ مطبوعات مجلس اشاعت علوم جامعۂ عثمانیہ

سلطان احمد شاہ بہمنی

(تالیف)

مولوی محمد ظہیر الدین صاحب ایم اے (عثمانیہ)

(۱۹۳۷ء)

دفعۂ اول — قیمت

(مطبوعہ)

مکتبۂ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد دکن

ملنے کا پتہ [illegible] حیدرآباد دکن

تعارف

مجلسِ علمیہ طیلسانین عثمانیہ اس غرض سے قایم کی گئی ہے کہ عام طور پر تعلیم یافتگانِ جامعہ عثمانیہ اور بالخصوص طیلسانین کے علمی و ادبی کارناموں کو منظرِ عام پر لائے اور اس طرح اردو زبان کی خدمت اور اردو میں اعلیٰ علمی کتابوں کی اشاعت کا کام انجام دے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے فی الحال یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ام اے اور ام ایس سی کے لیے مختلف علمی موضوعات پر جو محققانہ مقالے جامعہ عثمانیہ کے پوسٹ گریجویٹ طلبہ سے لکھائے جاتے ہیں اور جن کو خود جامعہ عثمانیہ اور بیرونی جامعوں کے علما بہ حیثیت ممتحن کے تنقیدی نظر سے دیکھ کر قابل قبول قرار دیتے ہیں ان کو مجلس کے ترجمان "مجلہ طیلسانین" میں طبع کرنے کے علاوہ کتابی صورت میں شایع کیا جائے۔ مجلس نے مقالات کے انتخاب میں بہت احتیاط کے ساتھ کام لے کر صرف ایسے مقالات کو شایع کرنے کا تہیہ کیا ہے جو بہ ہمہ وجوہ قابل قدر ہوں اور جن کی اشاعت سے صحیح معنوں میں علم و ادب کی خدمت مقصود ہو۔ توقع ہے کہ زیر نظر مقالہ اپنے موضوع کے متعلق اہل اردو کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

سید محمد

معتمد مجلس علمیہ طیلسانین عثمانیہ

فہرست مضامین

ماخذات

اس کتاب کی تیاری میں منجملہ اور کتابوں کے حسب ذیل عربی فارسی (قلمی و مطبوعہ) اُردو و انگریزی کتابوں سے بطور خاص مدد لی گئی ہے:

نام کتاب قلمی یا مطبوعہ	نام مصنف
۱۔ برہان مآثر۔ قلمی فارسی	علی بن عزیز اللہ مازندرانی
۲۔ ہفت اقلیم "	امین احمد رازی
۳۔ تذکرۃ الملوک "	ملا رفیع الدین ابراہیم بن نورالدین توفیق شیرازی
۴۔ ذکر الملوک "	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۵۔ زبدۃ التواریخ "	شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۶۔ تاریخ سلاطین دکن "	ملا نظام الدین احمد بخشی
۷۔ مراۃ الصفا "	محمد علی بن صادق
۸۔ مشکوٰۃ النبوۃ (تذکرۂ اولیائے حیدرآباد)	مولوی سید علی صاحب بلگرامی
۹۔ تاریخ فرشتہ۔ مطبوعہ، فارسی	حکیم محمد قاسم فرشتہ
۱۰۔ طبقات اکبری "	ملا نظام الدین احمد بن محمد مقیم الہروی۔
۱۱۔ منتخب اللباب جلد سوم "	محمد ہاشم خافی خاں
۱۲۔ تاریخ فرشتہ، اُردو۔ اُردو مطبوعہ	حکیم محمد قاسم فرشتہ
۱۳۔ تاریخ ہندوستان "	مولوی محمد ذکاء اللہ
۱۴۔ سلسلہ آصفیہ جلد سوم تاریخ دکن حصۂ اول۔	مولوی سید علی صاحب بلگرامی
۱۵۔ تاریخ خورشید جاہی "	غلام امام خاں افغان
۱۶۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن "	محمد عبدالجبار خاں ملکاپوری
۱۷۔ تاریخ خاندان بہمنیہ۔ انگریزی مطبوعہ	میجر کنگ
۱۸۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد سوم "	مسٹر ولزلی ہیگ
۱۹۔ تاریخ دکن۔ "	گریسل
۲۰۔ انٹی کیوٹیز آف بیدر "	مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم سررشتہ آثار قدیمہ سرکار عالی
۲۱۔ منہل الصافی شرح الوافی۔ عربی، قلمی	محمد بن ابی بکر عمر المخدومی الدمامینی

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی

باب اول

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

ہندوستان کے اسلامی بادشاہوں میں سب سے پہلے سلطان علاوالدین خلجی نے تسخیر دکن کا ارادہ کیا
ں سے پہلے کسی نے اس طرف کا رُخ نہیں کیا تھا۔ یہ حملہ ۶۹۴ھ مطابق ۱۲۹۴ء میں اتفاقاً ہوا اور قسمت نے
س کو دکن کا پہلا فاتح بنا دیا۔ علاوالدین خلجی نے بادشاہ ہونے کے بعد ۷۰۶ھ مطابق ۱۳۰۶ء میں دکن کی طرف
وجہ کر کے ۷۱۲ھ مطابق ۱۳۱۲ء تک مزید فتوحات حاصل کیں۔ دکن کے متعلق اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ دکن
لطنت دہلی کا ایک باجگذار علاقہ رہے اور اس کی سیادت کو تسلیم کرے اس لیے اُس نے دکن کا الحاق
لی کے ساتھ نہیں کیا اسی حکمت عملی کے تحت اس کے زمانے میں دکن بالکل آزاد تھا یہاں کے راجہ علاوالدین خلجی کی
ہنشائیت کو تسلیم کرتے اور سالانہ خراج ادا کرتے تھے اس لیے دکن میں نہ تو فتنہ و فساد ہوا اور نہ کوئی نئی حکومت
یم ہو سکی۔ اور اس کی یہ حکمت عملی نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔

خاندان خلجی کے خاتمہ کے بعد ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء میں ارکان سلطنت کی رائے سے غازی خاں تغلق
یاث الدین کے لقب سے دہلی کا بادشاہ قرار پایا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمد تغلق ۷۲۵ھ مطابق
۱۳۲۵ء میں تخت نشین ہوا۔ ایام شہزادگی میں ہی اس نے دکن میں فتوحات حاصل کیں۔ اس کے عہد میں دکن کے راجاؤں نے
سرکشی اور بغاوت کر کے ملک میں بدامنی پھیلائی اور خراج بھی وقت مقررہ پر روانہ نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے

مرکزی حکومت کو ہر وقت فوج روانہ کرنی پڑتی تھی علاؤالدین خلجی کے برعکس محمد تغلق پورے ہندوستان پر اپنی موثر حکومت قایم کرنی چاہتا تھا اس پر حکومت کرنے کے لیے اس کو ایک مرکزی مقام کی ضرورت تھی جہاں سے وہ پورے ہندوستان پر حکومت کرسکے۔ یہ مرکزی مقام سوائے دیوگری کے دوسرا نہیں ہوسکتا تھا اس کے علاوہ سلطان محمد تغلق دکن کی بغاوتوں کا بھی سدباب کرنا چاہتا تھا اس لیے اس کی حکمت عملی علاؤالدین خلجی کی حکمت عملی کے خلاف یہ تھی کہ دکن کا الحاق سلطنت دہلی کے ساتھ کرلیا جائے تاکہ بغاوتوں کا انسداد ہو لیکن اس سے تمام ہندوستان میں بغاوتیں شروع ہوگئیں اور اس کی وجہ سے دکن میں سلطنت بہمنیہ قایم ہوئی کیا عجب ہے کہ اگر محمد تغلق کی حکمت عملی سلطان علاؤالدین خلجی کی سی ہوتی تو سلطنت بہمنیہ وجود ہی میں نہ آتی۔ غرض دکن کا الحاق سلطنت دہلی سے کرکے ۷۲۹ھ مطابق ۱۳۲۹ء میں سلطان محمد تغلق نے تخت سلطنت کو دہلی سے دیوگری پر منتقل کیا اور اس کا نام دولت آباد رکھا لیکن اس کو شمالی ہند کی بغاوتوں کی وجہ سے بہت جلد دہلی کو دوبارہ آباد کرنا پڑا۔ بادشاہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے دکن کے راجاؤں نے پھر سرکشی کی اور بغاوت کرکے شہر بیجانگر آباد کیا۔ دکن کے ممالک مفتوحہ تقریباً سب کے سب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے البتہ صرف دیوگری سلطان محمد تغلق کا قبضہ رہا۔

۷۴۲ھ مطابق ۱۳۴۱ء میں ملابار میں بغاوت برپا ہوئی جس کو فرو کرنے کے لیے سلطان روانہ ہوا لیکن راستہ میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ واپسی کے بغیر چارہ نہ رہا۔

سلطان محمد تغلق دوآبہ کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ بیدر میں نصرت خاں اور گلبرگہ میں علی شاہ نے بغاوت کی جس کو فرو کرنے کے لیے قتلغ خاں حاکم دیوگری روانہ کیا گیا جس نے نصرت خاں کو سمجھا بجھا کر راضی کرلیا اور علی شاہ کو گرفتار کرکے سلطان محمد تغلق کی خدمت میں روانہ کیا۔ مگر ساتھ ہی تغلق نے یہ غلطی کی کہ قتلغ خاں کو دکن سے طلب کرکے نظام الدین عالم الملک کو دکن روانہ کیا۔ سلطان محمد تغلق نے امیران صدہ کی بغاوتوں سے تنگ ہوکر ان کے قتل کا ارادہ کیا اور سپہ سالار دکن کے نام فرمان بھیجا کہ ایک ہزار پانسو سواروں اور امیران صدہ کو بھروج روانہ کردے۔ عالم الملک نے نہایت ہی وقت سے امیران صدہ کو دولت آباد (دیوگری) بلوایا اور سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ مگر جب یہ لوگ درۂ مانک گنج[1] پہنچے تو سلطان کی تلون مزاجی

---

[1] درۂ مانک گنج کا اب ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ برنی کی تاریخ (صفحہ ۵۱۴) میں لکھا ہے کہ یہ قصبہ دولت آباد سے

کو قتل کر کے اسمٰعیل منج کی مدد کے لیے روانہ ہوا حسن کا نام سُن کر محاصرہ کنندہ اُمراء فرار ہو گئے اور حسن نے اطمینان سے دولت آباد پر قبضہ کر لیا۔ اسمٰعیل منج نے حسن کی ہر دلعزیزی اور شجاعت دیکھ کر سب خیال کیا کہ اسی کو بادشاہ بنائے چنانچہ وہ سلطنت سے دست بردار ہو گیا اور حسن گانگو کو بادشاہ دیا ۷۴۸ھ م ۱۳۴۷ء میں سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کو دولت آباد کی مسجد میں سب اُمراء نے ملکر شاہ تسلیم کیا، اور سر پر تاج سلطانی اور چتر سیاہ قایم کیا گیا اور ممالک دکن میں اسی کے نام کا خطبہ جانے لگا۔ حسن نے گلبرگہ کو پسند کر کے دار السلطنت مقرر کیا اور حسن آباد نام رکھا۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

سلطنت بہمنیہ کا بانی یہی علاء الدین حسن گانگو بہمنی تھا اس کے ابتدائی حالات نہایت تاریکی میں ہیں کے نسب کے متعلق مورخین نے سخت اختلاف کیا ہے چنانچہ اس عہد کی مشہور تاریخوں میں سے زبدۃ التواریخ[۴] نے اس کو مفلوک الحال ترکی الاصل بتایا ہے محمود شاہی[۵] میں افاغنہ سے لکھا ہے تحفۃ السلاطین[۶] تاریخ[۷] بہمن نامہ دکنی[۸]۔ برہان ماثر اور ہفت اقلیم میں عیون التواریخ[۹] کے حوالہ سے نیز طبقات الاکبری[۱۰] مرأۃ العالم[۱۱] اور مرأۃ الصفا[۱۲] میں اس کو بہمن بن اسفندیار شاہ ایران کی نسل میں ثابت کیا ہے۔ اور شجرہ اس طرح لکھا ہے:۔

سلطان علاء الدین حسن ابن کیکاوس ابن محمد ابن علی ابن حسن ابن سہام ابن سیمون ابن سلام ابراہیم ابن نصیر ابن منصور ابن رستم ابن کیقباد ابن منوچہر ابن نا مدار ابن اسفندیار ابن کیومرث رشید ابن صعصای ابن فغفور ابن فرخ ابن شہریار ابن عامر ابن شھد ابن ملک داؤد شنگ ابن نیک کردار ابن فیروز بخت ابن نوح ابن صانع اور صانع سے بہرام گور تک چند سطے ہیں اور بہرام گور ساسان کی اولاد میں اور ساسان بہمن بن اسفندیار کیانی کی نسل سے ہے بہمنی کہلانے کی یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ لفظ گانگو کے اضافہ کے متعلق مرأۃ العالم کے مولف کا بیان ہے کہ منجم گانگو نامی تھا اس نے زائچہ دیکھ کر حسن سے کہا کہ تو دولتمند اور بادشاہ ہوگا تو میرے نام کو اپنے

۴۔ زبدۃ التواریخ مولفہ مولانا نور الحق دہلوی اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

۵۔ محمود شاہی مولفہ شمس الدین محمد شیرازی۔ یہ کتاب آجکل نہیں ملتی اس کا مواد تاریخ فرشتہ اور دیگر تاریخ میں ملتا ہے اسی سے یہاں مدد لیگئی ہے۔

سلطنت بہمنیہ قیام اور استحکام

کو قتل کر کے اسمٰعیل منخ کی مدد کے لیے روانہ ہوا حسن کا نام سُنکر محاصرہ کنندہ اُمراء فرار ہو گئے اور
ن نے اطمینان سے دولت آباد پر قبضہ کر لیا۔ اسمٰعیل منخ نے حسن کی ہر دلعزیزی اور شجاعت دیکھ کر
سب خیال کیا کہ اسی کو بادشاہ بنائے چنانچہ وہ سلطنت سے دست بردار ہو گیا اور حسن گانگو کو بادشاہ
دیا۔ سنہ ۷۴۸ھ م ۱۳۴۷ء میں سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کو دولت آباد کی مسجد میں سب اُمراء نے ملکر
شاہ تسلیم کیا، اور سر پر تاج سلطانی اور چتر سیاہ قایم کیا گیا اور ممالک دکن میں اسی کے نام کا خطبہ
جانے لگا۔ حسن نے گلبرگہ کو پسند کر کے دار السلطنت مقرر کیا اور حسن آباد نام رکھا۔

سلطنت بہمنیہ کا بانی یہی علاء الدین حسن گانگو بہمنی تھا اس کے ابتدائی حالات نہایت تاریکی میں ہیں
کے نسب کے متعلق مورخین نے سخت اختلاف کیا ہے چنانچہ اس عہد کی مشہور تاریخوں میں سے
ۃ التواریخ[1] نے اس کو مفلوک الحال ترکی الاصل بتایا ہے محمود شاہی[2] میں افاغنہ سے لکھا ہے تحفۃ السلاطین[3]
ج التاریخ[4] بہمن نامہ دکنی[5]۔ برہان ماثر اور ہفت اقلیم میں عیون التواریخ[6] کے حوالے سے نیز طبقات الاکبری[7]
ۃ العالم[8] اور مراۃ الصفا[9] میں اس کو بہمن بن اسفندیار شاہ ایران کی نسل میں ثابت کیا ہے۔ اور شجرہ
طرح لکھا ہے:-

سلطان علاء الدین حسن ابن کیکاوس ابن محمد ابن علی ابن حسن ابن سہام ابن سیمون ابن سلام
براہیم ابن نصیر ابن منصور ابن رستم ابن کیقباد ابن منوچہر ابن نامدار ابن اسفندیار ابن کیومرث
رشید ابن صعصای ابن فغفور ابن فرخ ابن شہریار ابن عامر ابن شہد ابن ملک داؤد
شنگ ابن نیک کردار ابن فیروز بخت ابن نوح ابن صانع اور صانع سے بہرام گور تک چند
ملتے ہیں اور بہرام گور ساسان کی اولاد میں اور ساسان بہمن بن اسفندیار کیانی کی نسل سے ہے
بہمنی کہلانے کی یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ لفظ گانگو کے اضافہ کے متعلق مراۃ العالم کے مولف کا بیان ہے کہ
منجم گانگو نامی تھا اس نے زائچہ دیکھ کر حسن سے کہا کہ تو دولتمند اور بادشاہ ہو گا تو میرے نام کو اپنے

۱۔ زبدۃ التواریخ مولفہ مولانا نور الحق دہلوی اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔
۲۔ محمود شاہی مولفہ شمس الدین محمد شیرازی۔ یہ کتاب آجکل نہیں ملتی اس کا مواد تاریخ فرشتہ اور دیگر
اریخ میں ملتا ہے اسی سے یہاں مدد لیگئی ہے۔

لطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

نام کے ساتھ ملانا۔ حسن نے گانگو منجم کی بات مان لی اور بادشاہ ہونے کے بعد اپنے نام کے ساتھ لفظ گ اضافہ کیا۔

فرشتہ[۱] نے علاؤالدین حسن کو گانگو پنڈت منجم کا ملازم ٹھہرایا ہے اور اس طرح بیان کرتا ہے کہ دہلی شہزادہ محمد تغلق کا مقرب ایک منجم مسمی گانگو برہمن تھا۔ حسن اس برہمن کے پاس نوکر تھا اور بوجہ غربت نہا خلاکت سے گذران کرتا تھا۔ برہمن نے حسن کی غربت پر ترس کھا کر دو راس بیل اور کچھ افتادہ زمین ا

(بسلسلۂ گذشتہ) ۳۔ تحفۃ السلاطین مولفۂ ملا داؤد بیدری۔ ۴۔ سراج التاریخ مولفۂ خواجہ محمد لاری۔ ۵۔ بہمن مولفۂ شیخ آذری۔ یہ کتابیں آجکل نایاب ہیں۔ طبقات الاکبری میں سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کے سراج التاریخ سے اخذ کیے گئے ہیں اور تاریخ فرشتہ میں سراج التاریخ، تحفۃ السلاطین اور بہمن نامہ سے۔ یہ تواریخ سلاطین بہمنیہ کے زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں اس لیے انھیں خاص وقعت حاصل ہے اور ان کی روایات معتبر ہیں۔

۶۔ عیون التواریخ خاص سلاطین بہمنیہ کے زمانے کی لکھی ہوئی ہے اور اس وقت ناپید ہے۔ برہان مولفۂ علی بن عزیز اللہ طباطبائی ۱۰۰۰ھ اور ہفت اقلیم مولفۂ امین احمد رازی ۱۰۰۲ھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ یہ کتابیں عیون التواریخ سے اخذ کیے گئے ہیں۔ برہان ماثر کا آب خوردہ قلمی نسخہ مولوی عبدالحق صاحب پرو کلیہ جامعہ عثمانیہ کے ہاں موجود ہے۔ اس سے نیز اس کے انگریزی ترجمہ مترجمہ میجر کنگ سے مدد لیگئی ہے۔ ہ شمس اللہ قادری صاحب "رسالہ تاریخ" میں شایع ہوئی ہے۔ میں نے اسی رس مدد لی ہے۔

۷۔ طبقات الاکبری مولفۂ ملا نظام الدین احمد کا ماخذ سراج التاریخ ہے اور یہ ۱۰۰۲ھ لکھی ہوئی ہے۔

۸۔ مراۃ العالم مولفۂ بختاور خاں عالمگیری۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

۹۔ مراۃ الصفا مولفۂ محمد علی بن محمد صادق۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

۱ے۔ تاریخ فرشتہ۔ مولفۂ حکیم محمد قاسم فرشتہ ۱۰۱۵ھ کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بیجاپور کا درباری مورخ تھا اس نے شاہان بیجاپور کے حالات کو خوب بڑھا چڑھا کر لکھا ہے اور سلاطین بہمنیہ کے حالات میں تعصب جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے پیش نظر نہایت مستند تواریخ تھیں۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

ن زراعت کے لیے زمین ہموار کرنے میں مصروف ہوا۔ اتفاق سے حسن کے ہل چلاتے وقت ہل کا
سر ازنجیر میں اٹک گیا۔ زنجیر نکالنے کی کوشش کی تو اس کے ساتھ اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک دیگچی
اس کو گانگو کے پاس لے گیا اور حقیقت حال بیان کی۔ گانگو کو اس کی ایمانداری ۔۔۔
آیا۔ اسی وقت اس نے حسن کا حال شہزادہ محمد تغلق کو جا سنایا۔ شہزادہ نے اپنے باپ بادشاہ
۔الدین سے اس کی سفارش کی، بادشاہ نے حسن کی راستبازی سے خوش ہو کر اس کو منصب
سدی عنایت کیا، اور امیروں کے سلسلہ میں شامل کیا۔

ایک دن گانگو نے حسن کا زائچہ دیکھ کر کہا کہ تو مرتبۂ شاہی کو پہنچے گا پس اقرار کر کہ تجھے بادشاہی
تو میرے نام کو اپنے نام کے ساتھ شامل کرے گا تاکہ تیرے نام کی شہرت اور برکت سے میرا نام بھی
دوام حاصل کرے۔ حسن نے قبول کیا اور جب بادشاہ ہوا تو ایسا ہی کیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی
ت ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے پاس شہزادہ محمد تغلق کی دعوت تھی
دعوت سے فارغ ہو کر شہزادہ چلا گیا تو حسن خانقاہ کے دروازہ پر آیا حضرت ممدوح نے فرمایا
نے رفت و سلطانے آمد" یہ کہہ کر اس کو اندر بلایا اور اس کے حال پر بہت التفات کی۔ اور
ٹی اپنے حصہ کی رکھی ہوئی تھی اس کو کھلائی اور زبان گوہر نثار سے یہ ارشاد فرمایا کہ "انشاء اللہ
ن میں بادشاہی نصیب ہوگی"۔ پس اسی وقت سے حسن کو دکن جانے کا اشتیاق اور اضطراب رہنے لگا۔

فرشتہ[1] نے ایک دوسرے مقام پر حسن کو ظفر خاں علائی ملک ہزبر الدین سپہ سالار سلطان علاء الدین
بھانجہ ہونا اس طرح لکھا ہے کہ ظفر خاں علائی کے قتل کے بعد اس کا خاندان پریشان ہو گیا۔ حسن شاہ
شاہ اس کے دو بھانجے بھی ان ہی پریشان حال لوگوں میں تھے، فاقہ کشی سے تنگ آ کر حسن نے
رخ کیا۔ دہلی آنے کے بعد برہمن منجم کا ملازم ہوا۔ اس سے حسن کا ملک زادہ اور امیر زادہ ہونا ظاہر
ہے۔ اس کی تائید تاریخ فیروز شاہی مولفہ ضیاء الدین برنی سے ہوتی ہے۔

تذکرۃ الملوک[2] میں لکھا ہے کہ حسن خاندانی شخص تھا وہ بحالت تباہ اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو لے کر

---

[1] فرشتہ۔
[2] تذکرۃ الملوک۔ مولفہ طا رفیع الدین ابراہیم شیرازی ۱۰۱۷ھ کی لکھی ہوئی ہے اس کا قلمی نسخہ
خانہ آصفیہ میں ہے اس میں سلاطین بہمنیہ کے حالات نہایت مختصر ہیں۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

گلبرگہ میں آکر حضرت مخدوم شیخ سراج الدین جنیدی قدس سرہ کا مرید ہوا اور اُن کی خدمت کیا کرتا، آپ کی دعا لینے سے اُس کو بادشاہی ملی تھی۔ تذکرۃ الملوک میں حسن کے بادشاہ ہونے کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن گانگو اکابر کی اولاد سے تھا جو روزگار کی تلاش سرگرداں و بے سر و ساماں تھا۔ ایک دن جنگل میں ایک درخت کے نیچے سویا تھا، ایک بڑا کالا سانپ پھن کھولے ہوئے اُس کے چہرہ پر مگس رانی کرنے لگا۔ ایک برہمن مسمی گانگو یہ حالت دیکھ کر کھڑا رہا۔ جب حسن بیدار ہوا تو وہ سانپ اپنا سر نیچے کر کے سوراخ میں چلا گیا۔ برہمن نے حسن کا زائچہ دیکھ کر اُس سے کہا کہ تم کو بادشاہت ملے گی، اور اپنی آرزو ظاہر کی کہ جب تم کو بادشاہت ملے میرا نام اپنے نام کے ساتھ شریک کر کے تم اور تمہاری اولاد اپنے فرامین میں بہمنی لکھا کریں۔ حسن نے اس کی یہ بات قبول کی اور اپنے کو بہمنی لکھنے لگا، اور اس کی اولاد میں جو اٹھارہ بادشاہ ہوئے وہ بھی اپنے آپ کو بہمنی لکھا کرتے تھے۔[۱]

روایت ہے کہ حسن گانگو شیخ الاقطاب شیخ محمد سراج الدین جنیدی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک روز حضرت شیخؒ وضو کر رہے تھے، سر کا مسح کرتے وقت اپنی دستار سر سے اُتار کر حسن کو دی۔ حسن یہ خیال کر کے کہ حضرت نے مرحمت فرمائی ہے فوراً اپنے سر پر رکھ کر قدمبوس ہوا۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ "انشاء اللہ تیرے سر پر تاج شاہی رکھا جائے گا"۔[۲]

روایت ہے کہ جب ملک دکن میں مسلمانوں کی کوئی مسجد نہ تھی تو شیخؒ نے ایک مسجد کی بنا ڈالی اور مسلمانوں نے اتفاق کر کے اس کی تعمیر میں شیخ کو مدد دی۔ اس کی تعمیر کے وقت حسن مٹی اور پتھر گراں بوجھ خود اٹھا کر پہنچاتا تھا۔ حضرت شیخ نے یہ محنت دیکھ کر اس کو دعا دی اور فرمایا کہ "حسن پر بادشاہت کا بوجھ عاید ہوگا"۔[۳]

روایت ہے کہ ایک روز حسن کی والدہ نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر حسن

۱۔ یہ واقعہ مرہٹی کتاب "سلطان سوری" میں بھی مذکور ہے۔

۲۔ تذکرۃ الملوک۔

۳۔ " " "

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

بیشان حالی عرض کی۔ شیخؒ نے فرمایا کہ حسن کو چاہیئے کہ فلاں مقام پر زراعت کرے وہاں اس کا مقصد اسکو
اصل ہوگا۔ حسن نے زراعت شروع کی، اس زمین میں ہل چلاتے وقت اس کو خزانے کا ظرف ملا۔ اسکی اطلاع
یخ کو کی گئی۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیا جائے کہ مطلب حاصل ہوا اور عسرت و پریشانی دفع ہوئی۔[1]
روایت[2] ہے کہ ان روپیوں سے حسن نے فوج جمع کی اور لشکرکشی کے لیے شیخ سے اجازت چاہی۔
نگو برہمن پنڈت نے بھی حسن کے اُن کاموں میں نہایت سعی کی۔ شیخؒ نے فرمایا کہ جمعہ کی رات کو حاضر رہے۔
سبہ حاضر ہونے پر شیخؒ نے فاتحہ پڑھی اور تلوار شجاعت حسن کے کمر پر باندھی اور کفار کی طرف روانہ
ونے کا حکم فرمایا۔ حضرت کے حکم کے بموجب حسن اپنی فوج کے ساتھ مرچ کی طرف روانہ ہوا۔ حاکم قلعہ
انی درگاوتی تھی جو بے خبری میں سیر کے لیے باہر گئی ہوئی تھی۔ باہر ہی حسن کا مقابلہ درگاوتی سے ہوا۔
ہ قید ہوئی اور لشکر اسلام قلعہ میں داخل ہوا، اور فتح کے بعد شیخؒ کی خدمت میں اطلاع کی جس کا
ب شیخؒ نے ذریعہ تحریر دیا کہ قلعہ کا نام مبارک آباد رکھا جائے۔ اُسکے بعد حسن نے حوالی مبارک آباد میں
فتوحات حاصل کیں۔ شیخؒ نے اُس کے بعد گلبرگہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حسن قدمبوس ہوکر روانہ ہوا اور
لعہ گلبرگہ کا محاصرہ کیا۔ اہل قلعہ نے اس خیال سے کہ قلعہ کا مالک پرون راؤ[3] جو تین کوس کے فاصلہ پر
ت خانہ کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا آیا ہے، قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ حسن نے قلعہ میں داخل
ہوکر اہل قلعہ کو قید کیا۔ جب اس کی خبر پرون راؤ کو پہنچی وہ پریشان ہوکر واپس آیا اور لشکر اسلام سے
س کی لڑائی شروع ہوئی۔ جانبین کے بہت سارے لوگ قتل ہوئے اور لشکر اسلام نے تیر برسانا شروع
یا۔ ایک تیر پرون راؤ کو ایسا لگا کہ وہ جانبر نہ ہوسکا۔ اُس کے مرتے ہی اُس کا لشکر فرار ہوگیا اور ملک پر
سن کا قبضہ ہوا، اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کیا گیا، اور حسن سلطان علاؤالدین بہمن شاہ کے
لقب سے تخت پر جلوس کرکے سلطان قرار پایا۔
بعض واقعات ممکن ہے کہ تاریخی تحقیق کی کسوٹی پر پورے نہ اتریں لیکن ان سے اتنا ضرور ثابت

---

[1] تذکرۃ الملوک ۔

[2] ۔ " " "

[3] ۔ پرون راؤ کے متعلق اس سے پہلے کے نوٹ میں صراحت کردی گئی ہے۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

ہوتا ہے کہ حسن کو حضرت شیخ محمد سراجؒ جنیدی سے خاص عقیدت تھی۔

علاء الدین حسن گنگو کے نسب نامہ پر جو بہمن بن اسفندیار سے ملایا گیا ہے مورخ اعتبار نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ خوشامدیوں نے اُسے عالی نژاد بنانے کے لیے بہمن کی نسل سے ملادیا ہے۔ درحقیقت وہ ایک برہمن کا نوکر تھا اور اُس کے احسان کے باعث اپنے آپ کو بہمنی سے ملقب کیا کرتا تھا، مگر میری تحقیق میں غلط ثابت ہوا ہے اور بہمنی کہلانے کی وجہ تسمیہ علاء الدین حسن کا بہمن بن اسفندیار کی اولاد میں ہونا ہے کیونکہ ان تمام تواریخ[1] میں جو خاص عہد بہمنیہ میں لکھی گئی ہیں بہمنی کہلانے کی یہی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے ایسے علاوہ سلطان علاء الدین بن احمد شاہ دوم بن سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کے زمانے کے کتبہ[2] میں اس نے اپنے کو بہمن بن اسفندیار کی اولاد میں لکھا ہے اور کتبہ کی عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے "من آل بہمن بن اسفندیار الخ"۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا کتبہ[3] خود علاء الدین حسن گنگو بہمنی کے زمانے کا۔ جس میں اُس نے اپنے کو بہمن شاہ لکھا ہے۔ پس ان دونوں کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمن بن اسفندیار کی نسل سے ہے اور بہمنی کہلانے کی یہی وجہ ہے کیونکہ کتبات بہ نسبت تاریخوں کے زیادہ معتبر ہوا کرتے ہیں کیونکہ یہ خود بادشاہ وقت کے کندہ کرائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ کے اصلی ماخذ کتبات ہی ہوا کرتے ہیں۔ پس بہمنی کہلانے کی وجہ اس کے سوا اور کوئی دوسری نہیں ہوسکتی یہ بہت ممکن ہے کہ حسن غربت کی وجہ سے ہندوستان آکر برہمن منجم مسمی گنگو کا ملازم ہوا ہوگا اور فرشتہ کی روایت کے

---

[1] ۔ تحفۃ السلاطین بہمن نامہ دکنی، سراج التواریخ اور عیون التواریخ آجکل موجود نہیں ہیں لیکن ہفت اقلیم، برہان المآثر اور طبقات اکبری اور فرشتہ نے ان کے حوالے دیئے ہیں۔

[2] ۔ اس کتبہ کا نصف حصہ فارسی اور نصف سنسکرت عبارت میں ہے۔ دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہی ہے یہ ۸۴۸ھ بعہد سلطان علاء الدین احمد شاہ دوم بن سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کا ہے۔ یہ ایک زمانے تک سلطان مذکور کے گنبد واقع ضلع بیدر میں رکھا رہا، اس کے بعد قلعہ بیدر میں رکھا گیا۔ اب نمائش گاہ باغ عامہ میں رکھا ہوا ہے۔

[3] ۔ یہ کتبہ سلطان علاء الدین حسن بہمنی نے اپنی تیار کرائی ہوئی مسجد واقع گلبرگہ میں نصب کرایا تھا۔ آجکل یہ باغ عامہ کی نمائش گاہ میں رکھا ہوا ہے، اور یہ نہایت خوشخط فارسی زبان میں لکھا ہوا ہے۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

ب اُس نے برہمن کے احسان و وعدہ کے باعث لفظ گنگو کا اضافہ اپنے نام کے ساتھ کیا ہوگا اور نگو کہلانے کی وجہ تسمیہ ہو سکتی ہے، نہ کہ بہمنی کہلانے کی جیسا کہ مراۃ العالم کے مولف نے بیان کیا ہے۔

جب محمد تغلق[1] نے دکن پر چڑھائی کی تو حسن بھی ہمراہ تھا اور جب محمد تغلق واپس ہوا تو اپنے اد قتلق خاں کو حاکم دولت آباد مقرر کیا محمد تغلق نے عام حکم دیا کہ امیروں اور منصبداروں میں ہی کا جی چاہے قتلق کے ساتھ دکن میں قیام کرے۔ حسن کی مراد برآئی اور اُس نے بعض یکصدی ں کے ساتھ جو سب کے سب اُس کے دوست اور آشنا تھے قتلق خاں کی رفاقت اختیار کی کن ہی میں رہنے لگا۔ بادشاہ نے حسن کو قریۂ کونجی اور رلے باغ وغیرہ جاگیریں عنایت کیے۔ یں حسن نے جو کچھ کیا اُس کی تفصیل اوپر لکھی جا چکی ہے۔

جمعہ ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ م ۱۳۴۷ء کو دولت آباد میں قطب الدین مبارک شاہ خلجی کی میں حضرت شیخ سراج الدین جنیدی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کو تخت نشیں فرمایا، اپنے دست مبارک سے ربا ندھی اور تاج زریں پہنا کر چتر سیاہ تبرکاً بطور لوازمہ شاہی سر پر لگایا کیونکہ حضرت شیخؒ نے سیاہ چتر کو خلفائے عباسیہ کا نشان سمجھ کر پسند فرمایا تھا۔

حسن نے گلبرگہ کو دارالسلطنت قرار دیا گنگو برہمن نے جب حسن کے بادشاہ ہونے کی خبر سُنی تو شاہ ہند کی ملازمت ترک کر کے حسن کے پاس آیا حسن نے اس کو اپنے پاس محاسب کی خدمت دی۔ ت گنگو پہلا برہمن تھا جس نے مسلمانوں کی نوکری دکن میں اختیار کی اور یہ طریقہ ۱۰۱۶ھ تک جاری ہ شاہان دکن کے محاسب کی خدمت برہمنوں ہی کو ملتی رہی۔

حسن نے اپنی حسن تدبیر سے حکمرانی کی، اور زور شمشیر سے بہت سے قلعے فتح کیے ایک مہم کرناٹک رف بھیجکر اس میں بھی کامیابی حاصل کی اہل گجرات محمد تغلق کے ہاتھوں تنگ تھے انھوں نے حسن کو ایا، مگر وہ خود نہ جا سکا، اس لیے اپنے بیٹے محمد کو روانہ کر دیا شہزادہ محمد گلبرگہ سے نکل کر نوساری پہنچا ر وہاں شکار کی کثرت دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ خود بھی وہیں ٹھیر گیا اور حسن کو بھی بلوایا۔ سن کو نوساری پہنچتے ہی ہیضہ ہو گیا، اور اس سے صحت پا کر اور امراض میں مبتلا ہو گیا جن کا

---

[1] فرشتہ۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

سلسلہ چھ مہینے تک رہا اور آخر غرہ ربیع الاول[1] ۷۵۹ھ م ۱۳۵۸ء میں سرٹھ سال کی عمر پا کر گیارہ سال دو سات روز سلطنت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔

علاؤالدین حسن کے انتقال کے وقت مرہٹواڑی، تلنگانہ اور کرناٹک کے مختلف حصے سلطنت بہمنیہ شامل تھے، ان کے جس پر ہندو راجاؤں کا تسلط تھا۔ سلطان محمد تغلق کے آخری زمانے میں اس کے امیروں کے ہاتھ میں دکن کے جس قدر ممالک تھے، سب پر حسن نے قبضہ کر لیا تھا۔ بیدر اور قندھار کے قلعوں کے حاکموں ملا کران کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ کولاس اور اس کے مضافات کو ورنگل کے راجہ سے لیا۔ اس سلطنت کے شمال میں دریائے نربدہ تھا اور مغرب میں مغربی گھاٹ، جنوب میں دریائے کرشنا، مشرق میں گونڈوانہ کا جنگل اور تلنگانہ۔ مالوہ اور خاندیس جو دہلی کے ماتحت تھے اب آزاد ہوتے جاتے تھے بہمنی سلطنت کو یہ ہندوستان سے ملاتے تھے۔ مالوہ نربدہ کے شمال میں اور خاندیس اس کے جنوب میں تھا۔

سلطنت بہمنی کے تین طرف مغرب، مشرق اور جنوب میں ہندوؤں کی سلطنتیں تھیں۔ بہمنی رعایا بھی ہندو تھی۔ تلنگانہ اور کرناٹک کی حکومتیں جو سلطنت بہمنیہ کے مشرق اور جنوب میں تھیں اسکی سخت دشمن تھیں، آخری سلطنت جو وجیانگر (بیجانگر) کہلاتی تھی، وجیانگر (دارالحکومت دریائے تم بھدرا کے کنارے حسن آباد گلبرگہ سے جنوب کی طرف ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر تھا اور ورنگل (دارالحکومت تلنگانہ مشرق کی طرف اتنے ہی فاصلہ پر تھا، یہ ایسے بڑے مہرے تھے جن سے ہمیشہ حسن کو خدشہ لگا رہتا تھا۔ سلطان علاؤالدین حسن کا رقبۂ سلطنت اتنا وسیع تھا کہ ہر ضلع تقریباً تین سو مربع میل کا تھا۔

غرض علاؤالدین حسن نے سلطنت کو بہت وسعت دی اور نہایت ہی بیدار مغزی کے ساتھ نئی نئی اصلاحیں کیں اور سلطنت بہمنیہ کی جڑیں اس قدر مضبوط کر دیں کہ وہ دیر تک حوادثات زمانہ کا مقابلہ کرتی رہی۔ انتظام مملکت، عدالت، سیاست وغیرہ سے اسے خاصی دلچسپی تھی اور وہ ہر کام نہایت ہی

۱۔ تاریخ فرشتہ میں حسن کی تاریخ وفات غرہ ربیع الاول ۷۵۹ھ لکھی گئی ہے لیکن دوسری تواریخ میں حسن کا ۵ ربیع الاول ۷۵۹ھ م ۱۰ فروری ۱۳۵۸ء کو انتقال کرنا لکھا ہے۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

کاری اور وسیع النظری سے کیا کرتا تھا۔ ذیل کے نقشے سے ظاہر ہوگا کہ اس نے کیسے عہدے قایم کیے تھے
ن عہدوں پر کس قدر تجربہ کار اور موزوں اشخاص کا تقرر کیا تھا:-

نام عہدہ دار	نام عہدہ	نام عہدہ دار	نام عہدہ
مد شریف سمرقندی	صدر عدالت	سکندر خاں	باربک
مد بدخشی	قاضی عسکر	قیر خاں	کوتوال شہر
معیل منج	امیر الامراء	بہرام خاں مازندرانی	شقدار صوبۂ دولت آباد
صی الدین جگاجوت	معتمد وکیل سلطنت	صفدر خاں سیستانی	شقدار صوبۂ برار
سیف الدین غوری	وکیل سلطنت	اعظم ہمایون	شقدار صوبۂ ورنگل
... دپنڈت	صدر محاسب	خان محمد بن علی شاہ	نائب شقدار صوبۂ دولت آباد
... سرہندی	صدر وقائع نگاران	بہادر خاں ابن اسمٰعیل منج	سپہ سالار
...للہ مازندرانی	سر خیل	بایزید خاں	میر بحری
لک چھجو	شحنۂ فیل	ملک رشدو	جام دار
ر جمال الدین	خزانہ دار	فولاد خاں	قوربیگی
احمد ہروی	مفتی	سید نور الدین	محتسب
بد نقی اصفہانی	صدر محصلین	میر زین العابدین	تمغاچی کڑوڑ

ں کے علاوہ ملک رستم پردہ دار۔ ملک قوام الدین غوری افسر خاصہ خیل۔ شیخ منہاج الدین جنیدی قاضی گلبرگہ۔
الثنہ شحنہ بارگاہ و آبدار خانہ۔ خدمت عرض مکرر۔ تعمیرات وغیرہ کے لیے جائیدادیں نامزد کی گئی تھیں۔
بیں ایکبار چہار شنبہ کو صبح سے دوپہر تک دربار عام ہوا کرتا تھا۔ انتظام عدالت بالکل شرعی تھا۔
ے صدر عدالت اور اس کی ماتحتی میں کئی مفتی۔ محتسب۔ قاضی فوجدار۔ داروغہ وغیرہ تھے۔ سلطنت
صوبوں میں تقسیم کی گئی تھی اور ہر ایک صوبہ کے مستقر پر دس ہزار پیادہ فوج رہتی تھی، اور پایۂ تخت میں
ے لاکھ جمعیت، فوج کے لیے خاص وردی مقرر کی گئی تھی۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے قصبے میں مساجد بنائے
ئے تھے اور ہر ایک مسجد کے لیے امام، موذن اور مدرس مقرر تھے جو لڑکوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ بڑی
ساجد میں طلباء کے لحاظ سے مدرسین مقرر تھے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے لیے مدارس کا انتظام ایلچ پور۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

برار، دولت آباد اور گلبرگہ میں قایم تھا۔ ان مدرسوں میں فن سپہ گری کی بھی تعلیم دیجاتی تھی۔ محاصل بہت کم مقرر کیے گئے تھے۔ اس کے زمانے میں متعدد قسم کے سکّے مثلاً ہون اور تنگہ وغیرہ رائج تھے۔ ستی رسم کو کم کر کے بند کرنے کی کوشش کی۔ دکن میں متعدد منادر بنائے اور ان کے اخراجات کے جاگیرات وقف کیں۔ برہمنوں اور پجاریوں کے لیے معاش مقرر کی۔

خود حسن کو علم و ادب سے دلچسپی تھی۔ ہمیشہ علما کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ مولانا لطف اللہ سبزواری ملا معین ہروی۔ مفتی احمد ہروی۔ ملا اسحٰق شیرازی۔ ملا فضل اللہ انجو (شہزادوں کی تعلیم و تربیت انھی کے سپرد تھی۔ ان کی نگرانی میں اور بھی اساتذہ مقرر تھے) ملا حکیم علیم الدین تبریزی حکیم نصیر الدین شیرازی۔ صدر شریف سمرقندی۔ ملک رکن الدین غوری۔ ملک سیف الدین غوری۔ سید رضی الدین جگاجوت جیسے علما و حکما اس کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

سلطان علاو الدین حسن کے بیٹوں کی تعداد اور ان کے ناموں میں مورخوں نے اختلاف کیا ہے۔ تاریخ فرشتہ کی رو سے اس کے تین بیٹے محمد۔ محمود اور داؤد تھے۔ اور برہان الماثر کی رو سے محمد، محمود خاں اور احمد خاں تھے۔ اختلاف صرف ایک کے نام میں ہے۔ فرشتہ، داؤد شاہ کہتا ہے اور اسی کا نام برہان الماثر کے مولف نے احمد خاں لکھا ہے۔ ہفت اقلیم کے مولف نے اس کے صرف دو بیٹے محمد شاہ اور محمود خاں ہونا لکھا ہے، اور داؤد شاہ کو یہ مورخ محمود خاں کا بیٹا اور علاو الدین حسن کا پوتا بتاتا ہے اور برہان الماثر نے بھی اپنی تحقیق میں اس کے چار بیٹے محمد۔ محمود خاں داؤد شاہ اور احمد خاں ہونا ظاہر کیا ہے۔[1]

سلطان علاو الدین حسن گنگو بہمنی کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا سلطان محمد شاہ بہمنی ۷۵۹ھ م ۱۳۵۸ء میں تخت نشیں ہوا۔ دکن کے کل مشائخین نے اس بادشاہ سے بیعت کی لیکن حضرت شیخ زین الدین قدس سرہ نے اس وجہ سے کہ سلطان شراب خوار تھا بیعت نہیں کی اور بادشاہ کے کہلا بھیجنے پر بھی انھوں نے بیعت سے صاف انکار کیا۔ بادشاہ نے خفا ہو کر شیخ کو شہر بدر ہونے کا حکم دیا مگر چند دن کے بعد شیخؒ جیسے مقدس بزرگ کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے بہت نادم ہوا۔

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم۔

باب اول

سلطنت ... معذرت تحریری روانہ کی جس میں یہ فقرہ بھی لکھا ہوا تھا "من زآن تو ام تو زآن من باشی" شیخ نے
قیام اور ... با کہ اگر تو سلطان محمد شاہ غازی شریعت محمدی کا تابع اور ممالک محروسہ کے شراب خانے اٹھادے
ود مئے نوشی ترک کرے اور آبائی طریقے پر چلے تو زین الدین فقیر سے زیادہ کوئی تیرا دلی دوست
گا" جب یہ تحریر بادشاہ نے دیکھی تو شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے اُس کو "سلطان غازی" لکھنے پر وہ بہت
ہوا اس وقت سے اپنے نام میں لفظ "غازی" زیادہ کیا اس نے شریعت کی ترویج میں بڑی
کی۔ ملک میں شراب فروشی کی دوکانیں بند کرادیں اُس کے بعد نہایت عیش اور کامرانی
تھا اپنی زندگی بسر کی۔ یہ بادشاہ عقیل، شجیع، فیاض اور اولوالعزم تھا سپاہ و رعایا کے ساتھ
ہی خلق و مروت سے پیش آتا تھا اس نے اپنی سلطنت کے چار صوبے کیے گلبرگہ۔ دولت آباد۔
۔ برار اور ہر حصہ پر ایک ایک طرفدار بعطائے خطاب مقرر کیا اس بادشاہ نے اپنے عہد میں
نے کے سکے چلائے جس کے ایک رُخ پر کلمۂ طیبہ کے ساتھ چار یاروں کے اسمائے پاک اور دوسرے
پر بادشاہ کا نام اور سن جلوس مسکوک تھا۔ یہ اپنے باپ کے نقرئی[۱] تخت پر جلوس کرتا تھا مگر بعد میں
آبنوس طلا کار تخت پر جلوس کرنے لگا جس کو راے تلنگ نے خاص طور پر بنوا کر اس کے پاس
بھیجا تھا۔ یہ تخت تخت فیروزہ کے نام سے دکن میں مشہور ہوا اس نے راجگان وجیانگر و رایان تلنگ
سے بڑی بڑی جنگیں کیں اور ہمیشہ فتحیاب رہا۔ سب سے پہلے اس بادشاہ نے در دولت پر
ت مقرر کی اور پانچ وقت نوبت نوازی ہونے لگی جس کا رواج اب تک دکن میں ہے۔ ہر جمعہ کو
سے دوپہر تک دربار عام کیا کرتا تھا اور ہر ایک شخص کی شکایات سُنتا تھا اس نے قدیم عہدہ داروں
ر کر کے حسب ذیل خدمات قایم کی تھیں:۔

نام عہدہ دار	نام عہدہ	نام عہدہ دار	نام عہدہ
...الدین غوری	وکیل سلطنت ملک نائب	عیسیٰ خاں	افسر میسرہ

---

[۱] علاؤ الدین حسن بہمن شاہ کا بنوایا ہوا نقرئی تخت فیروز شاہ کے عہد میں مدینۂ منورہ روانہ
یا گیا۔ اور تخت فیروزہ سو برس تک خاندان بہمنیہ میں رہا ـ تمام بہمنی سلاطین اُسی پر
کرتے تھے۔

ت بہمنیہ کا درِ استحکام

نام عہدہ دار	نام عہدہ	نام عہدہ دار	نام عہدہ
بایزید خاں سیستانی	افسر خاصہ خیل	محمود افغان	افسر سلحداران
بہادر خاں بن اسمٰعیل منج	امیر الامراء	محمد اسمٰعیل ناعطہ	داروغہ جواہر خا
کلیم اللہ خاں مازندرانی	افسر جوانان یکہ	سید جلال حمید	مصاحب
متقرب خاں بن صفدر خاں سیستانی	میر آتش	ملک محمود	خوان سالار
سید شریف سمرقندی	صدر	ملا محمد بن عین الدین بیجاپوری	مفتی عسکر
شاہ ملک غوری	مصاحب	موسیٰ خاں افغان	افسر میمنہ
ملا محمد مشہدی	میر ساماں	....	

ملکۂ جہاں والدۂ سلطان محمد شاہ نے جب حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو بادشاہ نے ب
باپ کا جمع کیا ہوا خزانہ ملکۂ جہاں کے ہمراہ روانہ کرے تاکہ وہ وہاں فقراء اور مساکین کو خیرات کر دیا
لیکن امراء نے عرض کی کہ شہنشاہ دہلی اس ملک کو لینے کی فکر میں ہے پس اخراجات فوج اور تحفظ مملکہ
کیلیے بادشاہوں کو خزانہ رکھنا چاہیئے لیکن بادشاہ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ خدا کی راہ میں د
نیت سے نکالا ہوا روپیہ پھر داخل خزانہ ہو اس نے امراء سے کہا کہ میرے باپ کو بیحد گنج وحشم
خداوند کریم نے دیا، ایسی بڑی سلطنت عطا کی، اگر وہ چاہے گا تو مجھے بھی اس سے زیادہ دو
عطا کرے گا۔ آخر ملکہ کو خزانۂ کثیر کے ساتھ روانہ حج بیت اللہ کیا، اور جب وہ حج سے فارغ ہو
خزانہ کو فقراء و مساکین میں تقسیم کر کے واپس آئی تو اس مسرت و انبساط کے اظہار میں اس نے جشن منا
آخر سترہ سال نو ماہ پانچ یوم کی سلطنت[1] کے بعد ۹ ذیقعدہ ۷۶۲ھ م ۲۱ مارچ ۱۳۷۵ء کو
اقبالمند، جنگجو، غیور، فاتح، حق پسند، فقیر دوست، حامی شریعت سلطان محمد شاہ بہمنی نے انتقال
کیا۔ اس کے خزانے[2] میں جس قدر مال و اسباب تھا، اور اس کے عہد میں جس قدر ہاتھ

لہ۔ یہ مدت سلطنت، فرشتہ نے لکھی ہے لیکن برہان المآثر (نسخہ مولوی عبدالحق صاحب) سے اس
بادشاہ کا اٹھارہ سال سات ماہ حکومت کرنا ثابت ہوتا ہے۔
لہ۔ اس واقعہ کو مولف تاریخ فرشتہ نے سراج التاریخ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

سلطنت بہمنیہ
قیام اور استحکا

ن ولد رمضان دولت آبادی کو حاکم ساغر۔ خواجہ مقرب ولد بہاء الدین دولت آبادی کو
محمد ولد بہاء الدین دولت آبادی کو مقرب۔ سید محمد المخاطب بہ کالا پہاڑ کو امیر صدہ۔
۔ از در کو سر لشکر بنایا۔ ملک سیف الدین غوری کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔
اس بادشاہ کے آخر عہد میں صرف ساغر کے حاکم بہاء الدین اور اس کے بیٹوں نے بغاوت کی
ں ہوئے اس کے سوا سلطنت میں کسی کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا۔ اور راجہ
) رائچور وغیرہ کے دعوے سے دست کش ہو کر خوشی سے خراج ادا کرتا رہا۔

یہ بادشاہ نہایت سلیم الطبع، خوش خلق، عادل اور شرع شریف کا پابند تھا۔ اس نے
بل بیوی کے دوسری بیوی نہیں کی، صوم و صلواۃ کا بہت پابند تھا۔ قرآن مجید بہت اچھی طرح
، بہت بڑا خوشنویس اور شاعر تھا۔ عربی، فارسی زبان نہایت صحت کے ساتھ بولتا تھا۔
شایق اور عالموں کا قدرداں تھا۔ چنانچہ اس نے خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کو شیراز سے
ں محمودی دکن سے ان کے لانے کے لیے روانہ کی، مگر جب وہ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہونے لگے تو
سے کشتی ڈگمگانے لگی، حافظ صاحب نے گھبرا کر روانگی ترک کر دی اور حسب ذیل غزل لکھ کر بادشاہ کے ملاحظے میں روانہ کی۔

بے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد بہ مے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد
بہ کوئے مے فروشانش بہ جائے بر نمی گیرند زہے سجادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد
رقیبم سر زنشہا کرد کزیں باب رخ برتاب چہ افتاد ایں سر ما را کہ خاک در نمی ارزد
ترا آں بہ کہ روئے خود ز مشتاقاں بپوشانی کہ سودائے جہانداری غم لشکر نمی ارزد
بشوایں نقش دلتنگی کہ در بازار یک رنگی بنعمتہائے گوناگوں مئے احمر نمی ارزد
ا تو دیار و یار مردم را مقید میکند لیکن چہ جائے پارس کیں محنت جہاں یکسر نمی ارزد
بس آساں می نمود اول غم دریا ببوئے سود غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد
یرو کنج قناعت جو بکنج عافیت بنشیں کہ یکدم تنگدل بودن بہ بحر و بر نمی ارزد

چو حافظ در قناعت کوش و از دنیائے دوں بگذر
کہ یک جو منت دوناں بصد من زر نمی ارزد

ہمیدہ تحکام

سلطان نے جب یہ غزل سُنی تو ایک ہزار سکۂ طلائی حضرت حافظ علیہ الرحمتہ کے پاس روانہ کیے۔ اس بادشا جنگ وجدال سے نفرت تھی علم وہنر کی ترقی کا اس کو بہت خیال تھا۔ اس نے مدارس قایم کیے۔ مسجد بنوائیں۔ رفاہِ عام کے بہت سے کام کیے۔ بڑی داد و دہش کے ساتھ عیش وکامرانی سلطنت کی سپاہ ورعیہ اس بادشاہ سے بہت خوش تھی۔ اپنے چچا احمد خاں مرحوم کے جو دو صغیر سن لڑکے فیروز خاں اور احمد خاں اُن کی اس نے پرورش کی، اور عالموں سے ان کو اعلیٰ تعلیم دلائی اور اپنی دونوں بیٹیاں ان دونوا بیاہ دیں۔ آخر انیس[۱] سال نو ماہ بیس[۲] یوم حکومت کرنے کے بعد تپ محرقہ سے بتاریخ ۲۱ رجب ۹۹ ۲۰ راپریل ۱۳۹۷ء اس نے رحلت کی۔

سلطان محمد شاہ ثانی بہمنی کے بعد اس کا بڑا بیٹا غیاث الدین[۱] سترہ سال کی عمر میں تخت نش ہوا۔ ایک ترکی غلام تغلچین نے وزارت کی خواہش کی۔ غیاث الدین نے اس بناء پر اس کی خواہش رد کردی کہ لوگوں میں بہت سے سادات بھی ہوتے ہیں، ایک غلام کو ان پر حاکم بنانا مناسب نہیں ہے۔ تغ غیاث الدین کے نقصان کے درپے ہوگیا۔ تغلچین کی بیٹی بڑی حسین وجمیل اور ہندی فن موسیقی کی ماہر اس نے نوعمر بادشاہ کو اپنے دام میں پھنسالیا۔ اس کے ذریعہ سے غلام تغلچین نے بادشاہ کو دعوت بلایا اور عیاری سے تنہائی میں لیجاکر اس کی آنکھیں نکال دیں۔ اس کی مدتِ سلطنت صرف ایک بیس یوم رہی۔

سلطان غیاث الدین کے نابینا ہونے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی شمس الدین[۱] پندرہ سال[۳] عمر میں تخت شاہی پر بیٹھا۔ تغلچین ملک نائب اور امیر الأمراء بنا۔ شمس الدین کی ماں لونڈی تھ اس کا لقب مخدومۂ جہاں رکھا۔ تغلچین نے مخدومۂ جہاں کو ملا رکھا جو برابر شمس الدین کو تغلچین ہدایتوں پر عمل کرنے کی تاکید کرتی رہتی تھی۔ سب اُمراء نے اس کی اطاعت قبول کی لیکن فیروز خا اور احمد خاں جو احمد خاں مرحوم کے بیٹے تھے شمس الدین اور تغلچین کے مخالف ہوگئے اور غیاث الدین بدلہ لینے کے درپے ہوئے، اور گلبرگہ پر فوج کشی کی جس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اُم

۱و۲ ۔ برہان ماثر ہفت اقلیم اور تذکرۃ الملوک ۔

۳ ۔ فرشتہ لیکن برہان ماثر نے اس بادشاہ کی عمر سات سال لکھی ہے ۔

سلطنت بہمنیہ کے قیام اور استحکام

...ایک روز فیروز خاں نے محل میں گھسکر دونوں کو پابزنجیر کیا[1] اور باہر آکر باتفاق ارکان دولت ... فیروزہ پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ واقعہ ۱۷ رمضان ۷۹۹ھ م ۱۳۹۷ء کا ہے۔ ہفت اقلیم کے ... نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ نے چند روز کے بعد شمس الدین کو قتل کر دیا لیکن فرشتہ کا بیان ہے کہ ... واقعات کے بعد شمس الدین اور اس کی ماں، فیروز شاہ کی اجازت سے مدینۂ طیبہ ہجرت کرکے ... گئے۔ جہاں شمس الدین ۸۱۲ھ میں مرگیا۔ پانچہزار فیروز شاہی اشرفیاں اور دوسری چیزیں سالانہ ... سے شمس الدین کے لیے بھیجی جاتی تھیں۔

۸۰۰ھ م ۱۳۹۷ء میں سلطان شمس الدین کو معزول کرکے فیروز شاہ[2] باتفاق ارکان دولت ... نشیں ہوا، اور اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ اپنے بھائی احمد خاں[3] کو خانخاناں کا خطاب دیکر ... الامراء، مولانا میر فضل اللہ انجو شیرازی کو وکیل السلطنت۔ مولانا لطیف اللہ شیرازی کو ... وکیل السلطنت۔ راجہ سدھو، حاکم ساغر کو سپہ سالار۔ قاضی محمد سراج حسن آبادی کو امیر صدہ۔ ... مولانا تقی الدین، داماد میر فضل اللہ انجو کو میر ساماں۔ مولانا میر غیاث الدین بن میر فضل اللہ انجو، کو صدر۔ ... شجاعت خاں، میر دلاور خاں، رستم خاں اور بہادر خاں کو امیران صدہ شمس اللہ بن محمد انجو، ... صدر جہاں (داماد باشاہ) کو طرفدار دولت آباد۔ محمد صلابت خاں بن صفدر خاں سیستانی کو ... طرفدار برار۔ ملا اسحق سرہندی کو مصاحب بادشاہ۔ ملا داؤد بیدری کو مورخ کتابدار۔ ... مولانا حسن گیلانی مہندس اور مولانا سید محمد گازرونی کو مصاحب۔ شیر خاں، خواہرزادہ کو سلحدار۔ ... شیار عین الملک اور بیدار، نظام الملک کو طرفدار۔ محمد منہاج جنیدی، شاہ کمال کشمیری اور سید محمد بن مولانا عین الدین بیجاپوری کو بزرگ دعاگو مقرر کیا۔ ان اُمراء کے علاوہ بہت سے مشایخ و قضاۃ و علماء و شعراء و حکماء و شحنہ بارگاہ دربار میں حاضر تھے۔

سلطان فیروز شاہ[4] شرع کا پابند اور کریم النفس تھا صوم و صلوٰۃ کا پابند اور روزانہ

۱۔ فرشتہ۔

۲۔ اس سلطان کی ولدیت کے متعلق احمد شاہ ولی بہمنی کے بیان میں مفصل بحث کیجائے گی۔

۳ و ۴۔ فرشتہ۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

قرآن شریف کا پاؤ پارہ نقل کر کے معاش پیدا کرتا تھا۔ فرائض کے علاوہ متبرک دنوں میں اکثر رکھتا، اور نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ عدل[ا] و انصاف میں بھی اس نے بہت نام پایا۔ اگرچہ وہ رقص کا دلدادہ اور عیاش تھا، مگر ان افعال سے وہ خود نادم بھی رہتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ گانا مجھ کو مشغول کرتا ہے، اور شراب میرے نفس میں کوئی فساد پیدا نہیں کرتی جس سے اُمید ہے کہ خدا گناہوں کو بخشدے گا۔ اس کا رجحان طبع زیادہ تر علم و ہنر کی طرف تھا۔ دوسرے علوم کے علاوہ اصول حکمت طبعی و نظری کا ماہر تھا، اور صوفیوں کے اصطلاحات سے بھی آگاہ تھا۔ ہفتہ[۲] شنبہ، دوشنبہ اور چہارشنبہ کو شرح تذکرہ ریاضی میں، شرح مقاصد کلام میں تحریر اقلیدس اور مطول ملا سعد الدین معانی و بیان میں درس دیا کرتا تھا۔ جس روز دن کو فرصت نہ ملتی طلباء کو پڑھاتا۔ بہت سی زبانیں جانتا تھا چنانچہ جس ملک کے آدمی سے گفتگو کرتا اُسی کی زبان میں کرتا تھا۔ متقدمین کے اشعار بہت یاد تھے کبھی کبھی خود بھی شعر کہتا تھا۔ عروجی و فیروزی تخلص تھا۔ ایسا قوی حافظہ تھا کہ دو مرتبہ جس چیز کو سُنتا یاد کر لیتا اور اس کو کبھی نہ بھولتا تھا۔ اس کو ملکوں کی نادر چیزوں کی فراہمی کا بڑا شوق تھا، اور اس کا قول تھا کہ کسی ملک کا بہترین تحفہ اہل کمال ہیں چنانچہ ارباب علم و اہل ہنر کو دور دراز ممالک سے طلب کر کے اپنے ملک میں اکٹھا کیا اور توقع سے زیادہ ان کی قدر اور ان سے سلوک کرتا تھا۔

رات کو علماء[ا]، مشائخ، شُعراء، قصہ گو، ندیموں کی غیر سرکاری مجلس منعقد کرتا تھا خود بھی مثل دوسرے لوگوں کے شریک ہوتا اور اپنے ہمجلیسوں سے کہتا کہ جب تاج شاہی پہن کر دربار میں بیٹھتا ہوں تو مجبوراً لوگوں کے ساتھ شاہانہ شان سے پیش آتا ہوں، اگر ایسا نہ کروں تو رُعب سلطنت میں فرق آجائے، اور نظام حکومت میں خلل پڑ جائے لیکن تم لوگوں کے ساتھ ہوں تو تمہیں میں کا ایک شخص اپنے کو بھی سمجھتا ہوں اس لیے جس طرح بے تکلفی کے ساتھ تم آپس میں اور باتیں کرتے ہو میرے ساتھ بھی بولا کرو تاکہ مجھے شاہی اور غیر شاہی دونوں طرح کے لطف حاصل

ا۔ ہفت اقلیم۔

۱و۲۔ فرشتہ۔

سلطنت بہمنیہ کا قیام اور استحکام

ے اہل مجلس کو عام اجازت دے دی تھی کہ جب چاہیں آئیں اور جب چاہیں چلے جائیں اور جو چیز چاہیں
ے ملازموں سے مانگ کر کھائیں پئیں صرف دو باتوں کی ممانعت تھی ایک یہ کہ ایک دوسرے کی
ت نہ کریں دوسری یہ کہ دنیوی امور کے متعلق کچھ نہ کہیں اس کو دربار پر موقوف رکھیں۔

اس کے زمانے میں گلبرگہ کی سلطنت شان و شوکت اور عظمت میں بڑھ گئی اور جنوبی ہند کی
سے بڑی سلطنت ہو گئی۔ یہ دکن کا پہلا بادشاہ تھا جس نے دستار کی شکل کا جواہرات کا جڑاؤ تاج
ں نے ملک کی تجارت کو بہت ترقی دی، ہر سال گوا اور دوسری بندرگاہوں سے جہاز بھیجکر عمدہ،
ملب چیزیں منگواتا تھا۔

راجایانِ وجیانگر اور رایان کرناٹک سے اس نے بڑی بڑی چوبیس جنگیں کیں سب میں فیروزی کو
ہوئی اس نے نرسنگھ والی گونڈوانہ اور دیورائے والی بیجانگر کی لڑکیوں سے شادیاں کیں۔ اس نے
ںا دکن کی ہندو ریاستوں سے عمدہ تعلقات پیدا کرنے کے لیے کی تھیں لیکن دیورائے والی بیجانگر کی
ادی کے باوجود دونوں میں شکر رنجی زیادہ ہو گئی اور جنگیں بجائے نہ ہونے کے زیادہ ہو گئیں۔

اس کے محل میں متعدد ملکوں کی عورتیں مثلاً چرکس، ترکی، روسی، کرجی، ایرانی، خطائی، فرنگی،
، براتی، تلنگی، بنگالی، کنڑی، مرہٹی، راجپوت، عرب وغیرہ تھیں سلطان باری باری تمام محلوں میں جاتا تھا
ب سے اس خوبی سے پیش آتا تھا کہ سب کا خیال یہی تھا کہ سلطان سب سے زیادہ ہم کو چاہتا ہے۔
ں ان سب کی زبانیں جانتا تھا اور جن کے ہاں جاتا اس کی زبان بولتا تھا عرب کی عورتیں بھی
ے محل میں تھیں۔ یہ عورتیں حجاز اور مکہ کی رہنے والیاں تھیں ان کی خدمتگار عورتیں بھی عربی زبان
یں سلطان کو عربی زبان سے بڑی محبت تھی کسی غیر عربی بولنے والی خادمہ کو اس محل میں جانے کی
ازت نہ تھی۔ یہ عورتیں جدا جدا محلوں میں رہتی تھیں دکنی محل یعنی دختر سلطان محمد شاہ بہمنی کی
سے بڑی عزت تھی اس کے بعد عربی محل تھا اور اسی طرح ہر ایک کا درجہ تھا ہر بی بی کے تین تین خادمہ
تھیں یہ خادم عورتیں اسی ملک کی اور وہی زبان جاننے والی ہوتی تھیں۔ جس ملک کی بی بی
ی۔ عربی محل کی نو خادمہ تھیں اس نے ندی بیما کے کنارے پر ایک خوبصورت شہر آباد کیا جس کا نام

۔ فرشتہ

نت بہمنیہ کا۔ اس نے اپنے نام پر فیروز آباد رکھا اسی شہر میں عالیشان محلات ان عورتوں کے لیے اس نے بنوائے تھے جس میں

م اور استحکام یہ رہتی تھیں

۸۰۴ھ م ۱۴۰۱ء میں فیروز شاہ کو خبر ملی کہ امیر تیمور اپنے کسی شہزادہ کو سلطنت دہلی پر مامور کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تمام ہندوستان پر قبضہ کرے۔ یہ خبر پاکر فیروز شاہ نے میر فضل اللہ کے داماد تقی الدین محمد اور مولانا لطیف اللہ سبزواری کو تحفے تحایف دیکر امیر تیمور کی خدمت میں بھیجا او عرض کرایا کہ فیروز شاہ اپنے کو آپ کا مخلص اور خیر خواہ سمجھتا ہے اس لیے وہ عرض کرتا ہے کہ جب آپ دہلی قصد فرمائیں گے یا کسی شہزادہ کو بھیجیں گے تو وہ حاضر ہوکر ضروری خدمت انجام دے گا۔ امیر تیمور یہ سنکر بہت خوش ہوا، اور کہا کہ میں دکن، مالوہ اور گجرات کی بادشاہی فیروز شاہ کو دیتا ہوں اس کو مجاز کرتا ہوں کہ وہ چتر اور دوسرے لوازم شاہی کا استعمال کرے۔ امیر تیمور نے اسی مضمون کا فرمان صادر کیا جس میں فیروز شاہ کو اپنا فرزند اور خیر خواہ لکھا تیمور نے فیروز شاہ کیلیے خلعت اور گھوڑے بھی

۸۱۵ھ م ۱۴۱۲ء میں مخبران سعادت نشان نے فیروز آباد میں بادشاہ کے سمع مبارک میں پہنچا دہلی کی طرف سے ایک سید عالی مقام عرش احترام حضرت سید محمد گیسو دراز بندہ نواز دکن میں رونق افزا حسن آباد گلبرگہ کے اطراف میں پہنچے ہیں سلطان فیروز شاہ چونکہ ہمیشہ سے عالم و مقدس بزرگوں کی خدمت خواہاں رہتا تھا اس بشارت سے نہایت شاد ہوکر فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ میں آیا جمیع ارکان دولت اور اولاد کو استقبال کے لیے روانہ کیا اور باعزاز و اکرام تمام اُن کو شہر میں لا لیکن بادشاہ حکیم طبیعت تھا جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو علم ظاہری میں خصوصیت معقولات سے نا دیکھا تو آپ کی طرف اس نے زیادہ توجہ نہیں کی برخلاف اس کے بادشاہ کے بھائی احمد خاں خانخانا اعتقاد تمام حضرت سے پیدا کیا اس کا مفصل حال احمد خاں کے بیان میں لکھا جائے گا۔

اس کی مدت سلطنت پچیس سال سات ماہ پندرہ دن رہی پندرھویں شوال ۸۲۵ھ م ۱۵ ستمبر ۱۴۲۲ء اس کا انتقال ہوا، اور یہ تاریخ وفات "جنت آشیانہ" سے نکلتی ہے۔

---

۱ و ۲ و ۳ فرشتہ۔

باب دوم

سلطان احمد شاہ ولی[1] بہمنی کے حالات قبل بادشاہت

احمد خاں بہمنی کے یہ ہونہار اور بلند اقبال بیٹے سلطان محمد شاہ بن سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کے زمانے میں ۷۷۴ھ م ۱۳۷۳ء میں پیدا ہوئے آپ کا نام احمد تھا، اور فرشتہ کے قول کے مطابق آپ داؤد شاہ بہمنی کے تیسرے اور چھوٹے فرزند تھے لیکن مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ دراصل آپ داؤد شاہ بہمنی کے صاحبزادے تھے یا نہیں۔ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کے تین بیٹے محمد شاہ۔ داؤد خاں اور محمود خاں تھے۔ داؤد خاں کے تین بیٹے محمد سنجر فیروز خاں اور احمد خاں تھے اگرچہ برہان ماثر کے مولف نے بھی یہ لکھا ہے کہ حسن گنگو بہمنی کے تین بیٹے تھے لیکن فرشتہ کے اور برہان ماثر کے ناموں میں اختلاف ہے۔ برہان ماثر کی رو سے ان کے نام محمد اول محمود خاں اور احمد خاں تھے، اور محمود خاں کے دو بیٹے داؤد اور محمد ثانی تھے اس نے داؤد خاں کو سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کا پوتا لکھا ہے، اور احمد خاں بن سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کے دو بیٹے فیروز اور احمد ہونا تحریر کیا ہے۔ کتاب ہفت اقلیم کی رو سے سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کے دو بیٹے محمد شاہ اور محمود خاں تھے محمود خاں کے دو بیٹے محمد شاہ اور داؤد شاہ تھے اور محمد شاہ کے چار بیٹے غیاث الدین شمس الدین فیروز شاہ اور احمد شاہ تھے۔ اس لحاظ سے فیروز شاہ اور احمد شاہ محمد شاہ ثانی کے بیٹے ہوئے۔ تذکرۃ الملوک مولفہ رفیع الدین شیرازی نے بھی

---

[1] حیدر آباد کے ہندو اور مسلمان احمد شاہ کو "ولی اللہ" مانتے ہیں اور ان کا نام نہایت تعظیم سے لیا کرتے ہیں، اس لیے میں نے بھی ان کے نام کے بجائے پورے مقالے میں لفظ "آپ" کا استعمال کیا ہے۔

ن احمد شاہ ولی البہمنی کے
ت قبل بادشاہت

بارے میں صاحب برہان ماثر کی تائید کی ہے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم کی
سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی کے چار بیٹے محمد شاہ۔ داؤد شاہ۔ احمد خاں اور محمود خاں تھے داؤد
ایک بیٹا محمد سنجر تھا، اور احمد خاں کے دو بیٹے فیروز خاں اور احمد خاں تھے ان تمام تاریخوں سے یہ تو
ہوتا ہے کہ فیروز شاہ اور احمد شاہ دونوں حقیقی بھائی تھے اختلاف صرف ولدیت میں ہے یعنی فرشتہ
ان دونوں کو داؤد شاہ کے بیٹے اور ہفت اقلیم نے محمد شاہ ثانی کے اور برہان ماثر اور تذکرۃ الملوک
احمد خاں کی اولاد ہونا بتایا ہے۔ ان کے علاوہ بعض مورخین ایسے ہیں جو یہ تسلیم نہیں کرتے کہ فیروز
اور احمد شاہ حقیقی بھائی تھے۔ فرشتہ برہان ماثر ہفت اقلیم اور کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے د
شجرے حسب ذیل ہیں:-

از روے برہان ماثر (قلمی) اور تذکرۃ الملوک

۱۔ علاء الدین حسن گنگو بہمنی

۲۔ محمد شاہ — محمود خاں — احمد خاں

۲۔ محمد شاہ
۳۔ سلطان مجاہد

محمود خاں
۴۔ داؤد — ۵۔ محمد ثانی

۵۔ محمد ثانی
۶۔ غیاث الدین — ۷۔ غیاث الدین

احمد خاں
۸۔ سلطان فیروز — ۹۔ احمد اول
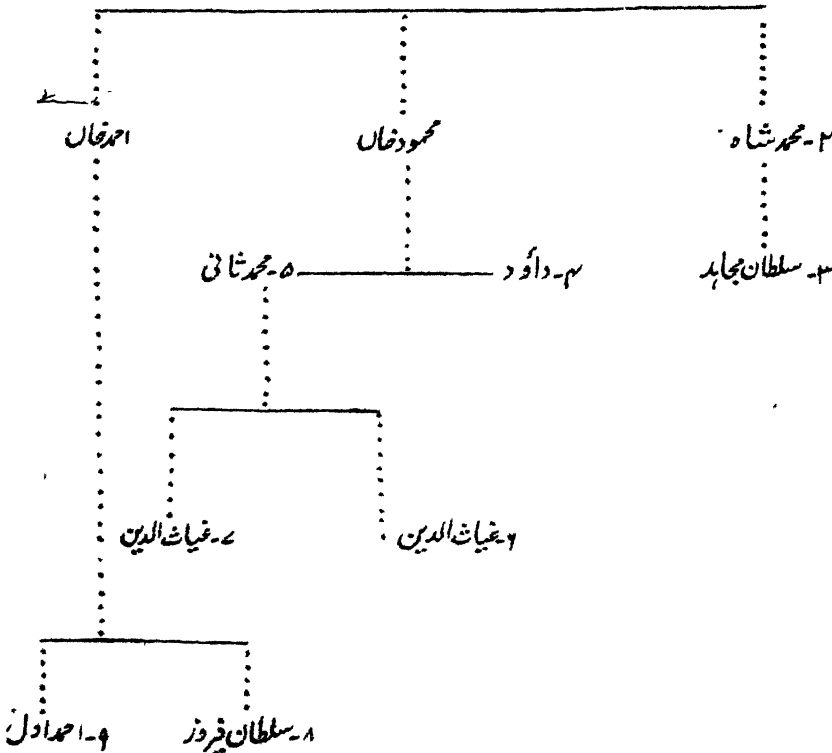
سلطان احمد شاہ
حالات قبل با

ازروے ہفت اقلیم

۱۔ سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی

۲۔ محمد شاہ
۳۔ مجاہد شاہ

محمود خاں
۵۔ محمد شاہ
۴۔ داؤد شاہ

احمد شاہ
۸۔ فیروز شاہ
۷۔ شمس الدین
۶۔ غیاث الدین
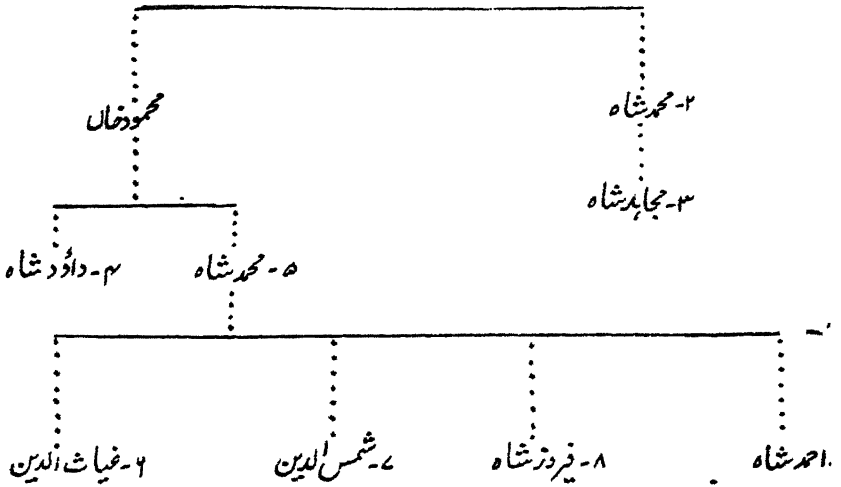
ازروئے تاریخ فرشتہ

۱۔ علاء الدین حسن گنگو بہمنی

سلطان محمد اول
سلطان مجاہد شاہ

۴۔ داؤد شاہ
۸۔ سلطان فیروز
۹۔ سلطان احمد اول

۵۔ سلطان محمود اول
۶۔ سلطان غیاث الدین
۷۔ سلطان شمس الدین

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کے حالات قبل بادشاہت

از روئے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم
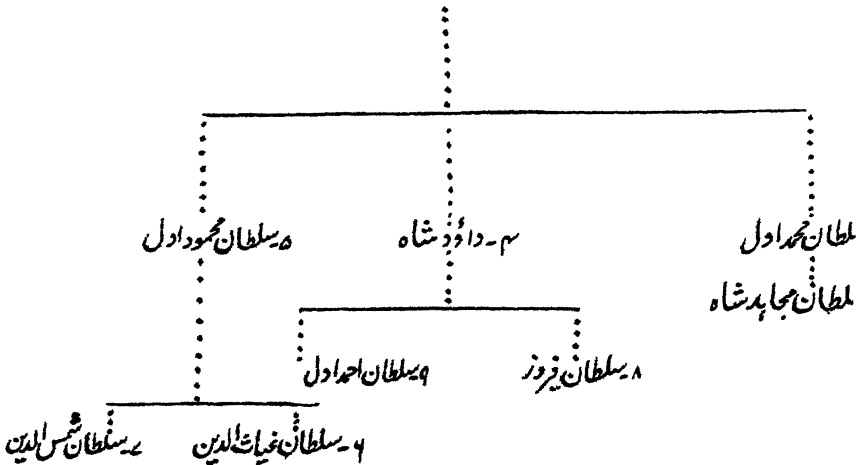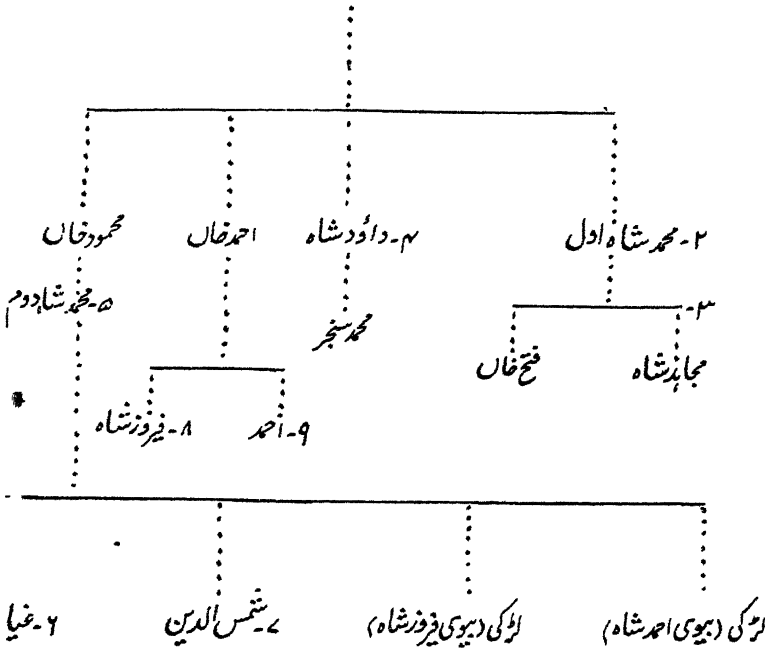
ہفت اقلیم مولفہ امین رازی سنہ ۱۰۰۲ھ کی برہان ماثر مولفہ علی ماژندرانی سنہ
اور تذکرۃ الملوک مولفہ رفیع الدین شیرازی سنہ ۱۰۱۷ھ کی تالیفات ہیں۔ ہفت اقـ
برہان ماثر میں سلاطین بہمنیہ کے جو حالات درج ہیں ان کو مولفین نے عیون التوار
کیا ہے۔ یہ تاریخ سلاطین بہمنیہ کے عہد میں لکھی گئی تھی اور وہ اس وقت ناپید ہے۔ تار
مولفہ حکیم محمد قاسم فرشتہ سنہ ۱۰۱۵ھ کی لکھی ہوئی ہے اس میں سلاطین بہمنیہ کے جو حالات
ان کو مولف مذکور نے تحفۃ السلاطین، سراج التواریخ بہمن نامہ دکن ملحقات طبقہ
مولفہ مولانا شیخ عین الدین بیجاپوری۔ فتوح السلاطین، تاریخ محمود شاہی مولفہ
ہمدانی سے اخذ کیا ہے۔ یہ تمام تاریخیں سلاطین بہمنیہ کے عہد میں لکھی گئی تھیں اور اس و
ہفت اقلیم، برہان ماثر کے پیش نظر صرف ایک ہی قدیم کتاب تھی اور فرشتہ نے کئی

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی
حالات قبل بادشاہی

نخوں کو سامنے رکھکر سلاطین بہمنیہ کے حالات خاص اہتمام سے تحریر کیے ہیں، لیکن اس کی
ے غلط ہے کیونکہ سہ رشتہ آثار قدیمہ حیدرآباد میں آپ کے زمانے کے سکوں کے دیکھنے سے
تا ہے کہ آپ احمد بن حسن بہمنی کے بیٹے تھے۔ اور فرشتہ اور ہفت اقلیم کی روایتیں سکوں کے مقابلے میں
با وقعت نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے احمد خاں سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی کا بیٹا تھا۔
تصدیق برہان ماثر اور تذکرۃ الملوک سے ہوتی ہے۔ لہذا فیروز شاہ اور احمد شاہ
کے بیٹے اور حقیقی بھائی تھے۔

کسی بڑے شخص کے بچپن کے حالات بالعموم مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ خاصکر مشرقی
یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ مشرقی مورخ اس طرف مطلق توجہ نہیں کرتے۔ پرانی
سے آپ کے بچپن کے حالات پر بہت کم روشنی پڑتی ہے۔ صرف ہمیں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ
داؤد شاہ بہمنی کی شہادت کے وقت آپ کی عمر چھ سال کی اور آپ کے بڑے بھائی فیروز شاہ کی
سال کی تھی، اور سایۂ پدری بھی آپ کے سر سے اٹھ گیا تھا۔ اور اس وقت محمد سنجر جو داؤد شاہ بہمنی کی
ن کی تھی جن کو روح پرور آغا نے اندھا کر دیا تھا۔ آپ کی اور آپ کے بھائی فیروز شاہ کی
ور پرداخت آپ کے چچیرے بھائی محمد شاہ ثانی بہمنی نے کی۔ آپ دونوں ذہین اور محنتی تھے۔
بھائی نے ان دونوں کو تیر اندازی، چوگان بازی، سواری، پڑھنا، لکھنا، غرض کہ ہر شاہی
م کی اچھی تعلیم دی۔ اور شیراز کے مشہور اور متبحر عالم میر فضل اللہ انجو کو جو علامہ سعد الدین
ی کے شاگرد رشید تھے اور جن کے تبحر علمی کا معمولی اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ چند
ن بہمنیہ نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنے کو اپنا فخر خیال کیا تھا، ہر دو کی تعلیم و
ے کے لیے مقرر کیا۔ اور علامہ شیرازی نے بڑی محنت اور محبت سے ان کو ہر فن میں ماہر
ایک عرصہ تک محمد شاہ ثانی بہمنی کے گھر بیٹا تولد نہیں ہوا، اس لیے بادشاہ نے
کو اپنی دامادی میں قبول کیا، اور فیروز خاں کو اپنا ولیعہد قرار دیا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد

وں کی مفصل کیفیت اور عبارت میں نے باب چہارم میں بیان کی ہے۔
برج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم۔

شاہ ولی البہمنی کے محمد شاہ ثانی بہمنی کے محل میں دو بیٹے تولد ہوئے، اور اس نے بڑے بیٹے غیاث الدین کو اپنا ولیعہد
بادشاہت کر کے مرتے وقت فیروز اور احمد دونوں بھائیوں کو غیاث الدین کی اطاعت اور فرمانبرداری
وصیت کی۔ ان دونوں نے چچیرے بھائی کی وصیت پر عمل کیا اور ہمیشہ غیاث الدین کے سد
خلوص وراستی سے ملتے رہے جب تغلچین نے غیاث الدین کو اندھا کر کے شمس الدین کو تخت نشین
کیا تو غیاث الدین کی حقیقی بہنوں نے جو فیروز شاہ اور احمد شاہ کی بیبیاں تھیں، اپنے بھائی
بدلہ لینے کے لیے شوہروں کو اُبھارا۔ دونوں بھائیوں نے بیبیوں کی ترغیب پر تغلچین کی تباہی
کوشش کی۔ تغلچین اس سے واقف ہو کر دونوں بھائیوں کو مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگا اور ان
قتل و قید کے لیے شمس الدین کو اُبھارا لیکن اس نے نہ مانا۔ اس لیے تغلچین نے مخدومۂ جہاں
والدۂ شمس الدین کے ذریعہ کوشش شروع کی۔ آخر مخدومۂ جہاں نے شمس الدین کو فیروز
اور احمد شاہ کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ فیروز شاہ اور احمد شاہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھ
ساغر کے حاکم سدّو کے پاس چلے گئے۔ سدّو نے ان دونوں کی ہر طرح مدد کی۔ وہاں۔
فیروز شاہ نے شمس الدین کو لکھا کہ اگر تغلچین کو اس کی بداعمالیوں کی سزا نہ دی گئی تو ہم لو
تمہاری مخالفت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھیں گے۔ شمس الدین نے اس کا جواب تغلچین اور مخدومۂ
مشورے سے ایسا دیا، جس نے فیروز شاہ اور احمد شاہ کو اور بھی برہم کر دیا۔ اس لیے دونوں بھائیوں
گلبرگہ پر فوج کشی کی جس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ چند ہی روز میں تغلچین اور مخدومۂ جہا
کارروائیوں سے گلبرگہ کی رعایا ناراض ہو گئی۔ دربار کے اراکین بھی مخالف ہو گئے اور انھوں
فیروز شاہ کو رائے دی کہ تم بادشاہ سے امان حاصل کر کے گلبرگہ چلے آؤ، تمام لوگ تمہار
موافق ہیں۔ اس رائے کے مطابق فیروز شاہ اور احمد شاہ شمس الدین سے امان حاصل کر
گلبرگہ میں داخل ہوئے اور حکمت عملی سے شمس الدین اور تغلچین کو قید کر لیا۔ شمس الدین
فیروز شاہ نے اندھا کر کے بیدر کے قلعہ میں قید کر دیا، اور معزول سلطان غیاث الدین
قید سے نکلوا کر تغلچین کو اس کے حوالے کر دیا گیا۔ غیاث الدین نے باوجود نابینا ہونے کے تغلچین
اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔

اس کے بعد فیروز شاہ نے بادشاہ ہو کر خطبہ اور سکّہ اپنے نام سے جاری کیا۔ اپنے بھا

ناں کا خطاب دیا اور امیر الامراء مقرر کیا۔ بزمانہ حکمرانی فیروز شاہ آپ سپہ داری اور ملک گیری کے
سے بھائی کی اطاعت کا حق ادا کرتے تھے۔ چنانچہ ۸۰۱ھ م ۱۳۹۸ء میں بیجانگر کے راجہ دیو رائے کے
ت کھا کر بیجانگر میں پناہ لینے کے بعد فیروز شاہ نے دیو رائے کو تو چھوڑ دیا اور اپنے بھائی
ناں اور میر فضل اللہ انجو شیرازی کو دیورائے کے جنوبی ممالک کی طرف بھیجا آپ اور میر فضل اللہ
ں سے ہزاروں مردوں اور عورتوں کو پکڑ لائے۔ ان قیدیوں میں جو لوگ معزز اور دولتمند تھے،
ارثوں نے دیورائے سے کہا کہ جس قدر مال درکار ہوگا ہم لوگ دیں گے مسلمانوں سے صلح کر لینی چاہیئے،
ے عزیزوں اور رشتہ داروں کو ان کی قید سے رہائی ملے۔ دیورائے نے اس کو منظور
ور اپنے سفیروں کو فیروز شاہ کے پاس بھیجا آخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ دس لاکھ دکنی اشرفی
نے سلطان کے خزانہ میں داخل کرے! ور ایک لاکھ میر فضل اللہ کو دے جنھوں نے درمیان میں
ہ کرائی۔ دیورائے نے یہ رقم ادا کی اور کل قیدی رہا کر دیئے گئے۔

جس زمانے میں فیروز شاہ ساگر میں دیورائے کی مدافعت کا سامان کر رہا تھا برار سے راجہ نرسنگھ
ونڈوانہ کے تاخت و تاراج اور ظلم کرنے کی خبر ملی تو فیروز شاہ نے اس کی سرکوبی پر دولت آباد اور
فوجوں کو مقرر کر دیا تھا اب جو فیروز شاہ کو دیورائے سے فرصت ملی تو اس نے ۸۰۲ھ م ۱۳۹۹ء میں
کی طرف توجہ کی قلعۂ ماہور کا حاکم جس کے اطراف کو نرسنگھ نے لوٹ لیا تھا، نرسنگھ کے بہکانے سے
گیا فیروز شاہ کے ماہور پہنچتے ہی اس نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔
ہینے ماہور میں قیام کر کے فیروز شاہ نرسنگھ کے پایہ تخت کھیرلا کی طرف بڑھا ادھر نرسنگھ بھی
تھا۔ فیروز شاہ نے چاہا کہ خود بہ نفس نفیس میدان جنگ میں جائے لیکن آپ (خانخاناں) اور
اللہ شیرازی نے بادشاہ سے عرض کیا کہ فیروز شاہ کا خود ایسے معرکہ میں جانا غیر ضروری ہے۔
م کے سر کرنے کے لیے یہ دونوں امیر کافی ہیں۔ فیروز شاہ نے یہ رائے پسند کی اور آپ (خانخاناں)
فضل اللہ شیرازی کو خلعت سے سرفراز کر کے دونوں کو نرسنگھ کے مقابلہ میں میدان جنگ کو جانے کی
ت دی آپ اور فضل اللہ نے نرسنگھ کے بیٹے کو شکست دی اور نرسنگھ کو بھگاتے ہوئے قلعہ کھیرلا تک
دس ہزار آدمی مارے گئے نرسنگھ نے قلعہ میں پناہ لی اور مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ دو ہی
ر قلعہ کا حال برا ہو گیا، اور وہ امن مانگنے پر مجبور ہوئے میر فضل اللہ اور آپ (خانخاناں) نے

شہ

کہا کہ جب تک نرسنگھ سلطان کی خدمت میں حاضر نہ ہوگا صلح نہیں ہوسکتی۔ نرسنگھ فیروز شاہ کی خد
حاضر ہوا۔ فیروز شاہ نے اس کی بیٹی سے شادی کی اور چالیس ہاتھی پانچ من سونا پچاس من چا
بہت سے دوسرے تحفے تحایف لیکر گلبرگہ واپس ہوا۔

دیورائے والی بیجانگر نے خراج روک دیا اور اس کی فوج نے فیروز شاہ کے ملک پر دست
کر کے فیروز شاہ کو مشتعل کر دیا چنانچہ ۸۰۹ھ م ۱۴۰۶ء میں سلطان فیروز شاہ بیجانگر پر حملہ آو
دیورائے کو مقابلہ کی جرات نہیں ہوئی اس نے بیجانگر میں پناہ لی۔ سلطان نے بیجانگر سے تھوڑے فا
ایک میدان میں اپنا مورچہ قایم کیا اپنے بھائی خانخاناں اور سدھو سرنوبت کو دس ہزار سوار و
بیجانگر کے جنوبی علاقوں کی تاخت وتاراج کے لیے روانہ کیا میر فضل اللہ شیرازی کو لشکر برار کے
کرناٹک کے مشہور حصار قلعہ بنکاپور کی تسخیر پر مامور کیا۔ چار مہینے تک فیروز شاہ بیجانگر کے سا
رہا، اور اس درمیان میں سلطانی فوج اور دیورائے کی سپاہ میں آٹھ معرکے ہوئے اور ہر مع
سلطان کو فتح ہوئی اس عرصہ میں آپ (خانخاناں) برابر بیجانگر کے وسیع ملک کی تاخت وتا
مصروف رہے۔ میر فضل اللہ کو بھی کامیابی ہوئی اور اس نے قلعہ بنکاپور کو فتح کر لیا آپ (خا
بیشمار مال واسباب اور کثیر التعداد قیدی لیکر اور میر فضل اللہ قلعہ بنکاپور کو سدھو سرنو
سپرد کر کے فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فیروز شاہ نے آپ (خانخاناں) کو دیورا
مقابلہ پر مقرر کیا اور میر فضل اللہ کو قلعہ ادونی کی فتح کے لیے بھیجا قلعہ ادونی بیجانگر کی سلطنہ
تمام قلعوں سے بڑھ کر تھا دیورائے نے اس سے گھبرا کر فیروز شاہ کی خدمت میں صلح کی درخواست کی
شرایط صلح یہ قرار پائے:۔ دیورائے اپنی بیٹی کی شادی فیروز شاہ سے کرے گا دس لاکھ دکنی
پانچ من موتی پچاس ہاتھی۔ دو ہزار غلام لونڈی نذر کرے گا قلعہ بنکاپور جس کو مسلمانوا
فتح کر لیا ہے، دیورائے جہیز میں دینا منظور کرے گا اور اس کی واپسی وغیرہ کی کوئی تحریک نہ کرے
ان شرایط کی تکمیل ہونے کے بعد دونوں طرف دھوم دھام سے شادی کی تیاریاں ہونے لگیں
فیروز شاہ کی قیام گاہ سے بیجانگر تک سڑک کے دونوں طرف ہر طرح کی دوکانیں لگا دی
ہنرمندوں اور کاریگروں نے اپنی ہنرمندی اور کاریگری کے نمونے لا لا کر رکھے کھیل اور تماشے والو
اپنے اکھاڑے جمائے۔ فیروز شاہ کی خیمہ گاہ سے بیجانگر تک اکیس میل کا فاصلہ تھا اور چالیس ر

!۔ ۵۔ فرشتہ۔

بیل اور دھوم دھام رہی۔ آپ (خانخاناں) اور میر فضل اللہ بیجانگر گئے اور سات روز تک
رہے اس کے بعد دلہن کو جہیز کے ساتھ فیروزشاہ کے پاس لائے۔

دیورائے نے فیروزشاہ کو اپنے گھر بلایا۔ فیروزشاہ نے آپ (خانخاناں) کو لشکر حوالے کیا اور
کے ساتھ بیجانگر میں داخل ہوا۔ دیورائے نے پندرہ میل تک مخمل، اطلس اور مشجر کا فرش بچھوایا تھا۔
سے استقبال کر کے اپنے ساتھ بیجانگر لے گیا۔ سلطان بیجانگر میں پہنچا تو دونوں طرف سے عورتوں
لوں نے فیروزشاہ پر سونے چاندی کے پھول نثار کیے۔ امیروں، سپاہیوں اور رعایا نے بھی
کی رسم ادا کی۔ دلھا دلہن دونوں ایک پُر تکلف اور آراستہ محل میں اتارے گئے۔

حضرت سید محمد بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ جنید وقت اور شبلی دہر تھے لوگوں کو برکات اور فیوض سے
فرماتے تھے۔ کل ملک دکن روحانی طور پر حضرتؒ کا مسخر تھا۔ چنانچہ حضرتؒ نے آپ (احمد شاہ) کی
بھی بادشاہی کی پیشین گوئی کی تھی۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ۸۱۰ھ م ۱۴۰۷ء میں
ان فیروزشاہ نے اپنے بیٹے حسن خاں کو اپنا جانشین قرار دیا، اور اس کو شاہی خلعت وغیرہ
ت کیا اس کے بعد اس کو حضرت سید محمد بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ
کے لیے دعائے خیر فرمائیں حضرتؒ نے کہا کہ جس کو بادشاہ نے انتخاب کر لیا ہے اس کے لیے
غریب درویش کی دعا کیا کام آئے گی! اور یہ بھی فرمایا کہ خدا کی مرضی تو یہ ہے کہ تاج شاہی
ن کے بھائی احمد خاں کو ملے نہ کہ اس کے بیٹے حسن خاں کو۔ سلطان اس بات سے بہت رنجیدہ
ور آپ کو شہر گلبرگہ سے باہر جا کر رہنے کا حکم دیا۔

تلنگانے کے راجہ نے کئی سال سے خراج فیروزشاہ کو نہیں دیا تھا، اس لیے ۸۲۰ھ م ۱۴۱۷ء میں
شاہ نے تلنگانہ کے قلعہ نلگنڈہ کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ دو برس تک قایم رہا لیکن قلعہ فتح نہیں
خر میں فیروزشاہ کے لشکر میں ہیضہ پھوٹا اور آدمی اور جانور مرنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر سپاہی محاصرہ
چھوڑ کر بھاگ گئے، اس لیے ہندوؤں کی بن آئی۔

دیورائے نے فیروزشاہ کی ابتر حالت دیکھ کر بہت سی فوج جمع کرنا شروع کی۔ دوسرے
اؤں سے جن میں تلنگانہ کا راجہ بھی تھا مدد مانگی اور بہت بڑی جمعیت کے ساتھ دھاوا
مسلمانوں کو لوٹنا اور قتل و غارت کرنا شروع کیا! اگرچہ فیروزشاہ براہ راست دیورائے کا

مدمقابل نہیں تھا۔ تاہم اس کی شاہی غیرت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ
جائیں اور وہ خاموش رہے۔ چنانچہ وہ باوجود اپنی شکستہ حالی کے دیورائے کے مقابلے کے لیے
ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک بڑی جنگ ہوئی جس میں ہندوؤں کی فتح رہی اور میر فضل اللہ
ہندو ملازم نے جس کو دیورائے نے ملا لیا تھا، میر فضل اللہ کو عین جنگ میں دغا سے قتل کر ڈالا
(احمد خاں) بڑی جوانمردی اور ہشیاری سے بادشاہ کو بچا کر لے گئے۔ فیروز شاہ کے بہت سے
مارے گئے۔ فیروز شاہ کے میدان جنگ سے چلے جانے کے بعد دیورائے نے مسلمانوں کا قتل ع
اور میدان جنگ میں مسلمانوں کے سروں کا چبوترہ بنایا گیا۔ اس کے بعد دیورائے نے سلطان فی
مقبوضات پر حملہ کر کے مسلمانوں کو لوٹا اور ان کا قتل عام کیا۔ مسجدیں شہید کیں اور سفا
بے رحمی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ فیروز شاہ نے عاجز آ کر گجرات سے مدد طلب کی اور میر غیا
ولد میر فضل اللہ شیرازی کو قاصد بنا کر احمد شاہ گجراتی کی خدمت میں روانہ کیا۔ مگر وہاں سے کوئی
نہ پہنچی کیونکہ وہاں احمد شاہ گجراتی کی تخت نشینی کو زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا اور خود اسی کے مہمات سل
ابھی قابل توجہ تھے۔ فیروز شاہ کی اس تدبیر سے کچھ فائدہ نہ ہوا آخر چھکے چھوٹ گئے۔ بھاگ
نوبت آ گئی تھی لیکن آپ (خانخاناں) نے اس وقت خزانوں کے منہ کھول دیئے اور ہر طر
لشکر جمع کر کے اس زور وشور سے ہندوؤں پر حملہ کیا کہ اُن کے پیر اُکھڑ گئے۔ آپ نے دیورائے
کر کے اس کو حدود مملکت بہمنیہ سے باہر کر دیا۔ آخر ہندوؤں کو شکست فاش دے کر دادِ مردا
پھر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے بھائی کی مستعدی اور حسن انتظام سے خوش
آپ کو شاہی عنایتوں سے سرفراز کیا۔ لوگوں پر آپ کی شجاعت کا بہت اثر ہوا اور سلطان فیروز شا
مصاحبین نے حسد سے بادشاہ کو آپ کی طرف سے بدظن کرنا شروع کیا۔ فیروز شاہ کو اس شکست ک
صدمہ ہوا۔ ضعیفی کی عمر تھی، اس لیے اس صدمہ کا اثر اس کی صحت پر خراب پڑا اور وہ بیمار ہو گیا
جب فیروز شاہ کی بیماری بڑھنے لگی اور اس کو یقین ہو گیا کہ موت قریب آ گئی ہے تو اس
دو غلاموں نے جن کے نام ہوشیار (عین الملک) اور بیدار (نظام الملک) تھے اور جو بڑے درجے پر پہنچے ہوئے تھے اور آپ سے
جلتے تھے، فیروز شاہ کو حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز کی پیشین گوئی کہ اس کے بعد احمد خاں بادشاہ
یاد دلائی اور یہ صلاح دی کہ وہ آپ کو اندھا کر دے اور فیروز شاہ کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی اور اس نے آپ

کروانے کا ارادہ کیا لیکن جب آپ کو آپ کے بھانجے شیر خاںؒ کے زبانی یہ معلوم ہوا تو آپ اپنے بیٹے
ہدین سمیت شہر سے بھاگ نکلے اور حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر جا کر آپ کی
سی کی اور اظہار حال کر کے دلی ارادتمندی سے عرض کیا کہ یا حضرت آرزو ہے کہ دنیا کے جھگڑوں سے
ن بردار ہو کر آپ کی خدمت اقدس میں عمر گذاروں حضرتؒ نے فرمایا کہ شکستہ دل نہ ہو،
ند کریم نے اپنی کمال عنایت سے تم کو بادشاہ مقرر کیا ہے پس تم پر فرض ہے کہ ہمت سے کام لو
لطنت حاصل کر کے اپنی رعایا کی خبر گیری اور دلجوئی کرو، فقیر سے اس بادشاہ کا بہت بڑا مرتبہ ہے
ت کو نیک نامی سے چلائے اور رعایا کے ساتھ انصاف کرے اور عبادت معبود کو بھی ہاتھ سے
نہ دے یہ کہکر حضرتؒ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور پھر دونوں باپ بیٹے کو مژدۂ سلطنت دیکر
بر پڑھی اور اپنی دستار مبارک دو ٹکڑے کر کے اپنے ہاتھ سے باپ اور بیٹے کے سر پر باندھی اور
مبارک کے لیے جو کھانا آپ کے پاس موجود تھا تینوں نے ایک طباق میں تناول کیا
ن و شاد ہو کر آپ وہاں سے رخصت ہوئے۔

رات بھر سامان سفر کی تیاری کر کے علی الصباح چار سو جوان مسلح اور جرار جنگ آزمودہ
ہنے تمام معرکوں میں نام پایا اور حق وفاداری ادا کیا تھا ہمراہ لیکر روانہ ہوئے اس درمیان میں
ں خلف حسن بصری جو آپ کا قدیم دوست تھا، آپ کے ارادہ سے واقف ہو کر اپنے
، سے باہر کھڑا ہوا تھا روبرو آکر آداب شاہی بجالایا آپ نے اس کو شگون نیک سمجھ کر
ے فرمایا کہ تو جلد اپنے مکان پر جا ورنہ میری دوستی سے تجھ کو نقصان پہنچے گا خلف حسن بصری نے
.یا کہ ایام راحت میں دوست رہنا اور ایام تعب میں بے وفا ہونا ہرگز درست نہیں، خدا کی قسم
ہمراہی سے منہ نہ موڑوں گا آپ کو خلف حسن بصری کی خالص عقیدت و یکجہتی پسند آئی، اس کو
ہمراہ لیا اور یہ وعدہ فرمایا کہ اگر میں بادشاہ ہوا تو تجھ کو سرفراز کروں گا، یہ کہکر منزل مقصود کی طرف آپ
لئے اور اپنے دوستوں کو اطلاع دینے اور اپنی فوجی قوت کو بڑھانے کی تدبیر کرنے لگے غرض آگے بڑھ کر
وز آپ خانہ پور میں مقیم رہے۔ آپ نے منت کی کہ اگر خدا آپ کو بادشاہ کرے گا تو آپ اس قصبہ کو
باد کے نام سے موسوم کر کے اس کی آمدنی مکہ، مدینہ، نجف اور کربلا کے سیدوں کو مدد معاش کیلئے وقف کرینگے
جب آپ کے بھاگ جانے کی خبر معلوم ہوئی تو فیروز شاہ کے دونوں غلام ہشیار او بیدار مضطرب ہو کر
ن ماثر۔

سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے حقیقت حال عرض کر کے فوج لیکر آپ کا پیچھا کرنے اور پکڑ لانے کی
حاصل کی تین چار ہزار سوار اور کئی جنگی فیل لیکر آپ کے سُراغ میں روانہ ہوئے آپ رفقاء کی قلت او
کثرت سے چاہتے تھے کہ بیرون شہر توقف کر کے بعض اُمراء کو اپنے ساتھ متفق کریں لیکن خلف حسن
مانع ہوا اور چترِ سیاہ آپ کے سر مبارک پر لگایا اور آدمی حسن آباد گلبرگہ بیدر کلیانی کو بھیجکر
جماعت ملازمان شاہ نیز اوباش و بیکار کو بہ وعدہائے دلفریب آپ کے جھنڈے کے نیچے ا
ان کی دلداری اور ساز و سامان سے مددگاری کی لیکن یہ جماعت اس قدر مختصر تھی کہ آپ ہشیا
بیدار سے جن کے ساتھ شاہی فوج بہت تھی جنگ کرنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے اور گلبرگہ کے اط
پھرتے تھے یکایک ہشیار اور بیدار نے آپ کو چاروں طرف سے ہجوم کر کے گھیرا، اور دونوں کے
اُس وقت آٹھ ہزار فوج سلطانی تھی اور آپ کے پاس کل ایک ہزار آدمی تھے، عین اُسی وق
آپ سوچ رہے تھے کہ کیا کریں کیا نہ کریں بنجاروں کا ایک گروہ آپ کے پاس سے گزرا
پاس کوئی دو ہزار بیل تھے جن پر وہ غلہ لاد کر برار کی طرف سے آکر کلیانی کے حوالی میں اُترے
اسی طرح تین سو گھوڑے سوداگروں نے لاہور سے لاکر خرابی راہ کے سبب سے کلیانی میں
کیا تھا خلف حسن بصری نے جو جنگ کے انصرام میں ساعی تھا، آپ سے کہا کہ آپ گھوڑے بہ
بہ قیمت اور بیل بنجاروں سے بعاریت لیں اور بدستور دکن رنگ برنگ کے جھنڈے بانس
چھڑیوں پر باندھ کر پیادوں کے حوالے کر کے ہر ایک کو ایک بیل پر سوار کرا کے فوج اعدا کے م
جائیں، اور جنگ شروع کریں، اور عین موقعہ جنگ میں بیلوں کو فوج کے ایک طرف سے ن
کریں اور بہ آواز بلند مخالفوں کو سُنا دیں کہ اُمراء جو اپنے جاگیروں میں تھے ہماری کمک کو آ
شاید اس تدبیر سے غلام خایف ہو کر بھاگ جائیں۔ آپ اس بات کو خرافات سمجھ کر رضامند نہ ہوئے، ا
آپ نے سُنا کہ افواج شاہی آپ کی طرف روانہ ہو چکی ہیں تو آپ بھی کوچ کر کے عین طے مسافت میں متحیر و
ایک درخت کے سایہ میں اُتر کر سو گئے۔ عالم رویا میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ فقیرانہ لباس پہنے
آپ کی طرف تشریف لائے اور ایک سبز تاج بارہ گوشوں کا ایک ہتھیلی پر رکھا ہوا ہے، آپ نے
استقبال کر کے قدمبوسی کی حضرت نے آپ کو مبارک باد دی، اور تاج آپ کے سر پر رکھ

لہ۔ فرشتہ۔ برہان ماثر نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

یہ تحفۂ درویش، تاج شاہی ہے، جسے ایک گوشہ نشین ولی کامل نے تیرے لیے بھیجا ہے، ایسے خواب وخیال تذبذب واضطراب کے وقت میں بڑا کام دیتے ہیں۔ آپ بستر خواب سے نہایت محظوظ ہو کر اٹھے اور خلف حسن بصری کو طلب کر کے صورت خواب بیان کی اور فرمایا کہ میں جنگ کے بارے میں متردد تھا اب چونکہ بشارت غیب سے پہنچی ہے اس لیے حسب ایمائے باطنی عازم جنگ ہوتا ہوں۔ بس جو تدبیر تو نے بیان کی تھی اس کو عمل میں لا، ممکن ہے کہ کامیابی ہو خلف حسن بصری زمین خدمت کو لب ادب سے بوسہ دیکر دوسو بہادر ہمراہ لیکر کلیانی کی طرف روانہ ہوا اور شیریں زبانی اور لطف بیانی کے ساتھ گھوڑے اور بیل اُن کے مالکوں سے لیکر پلٹ آیا اور رات کو رنگین بیرقیں درست کرلیں اور اس کا اظہار کسی پر نہیں کیا۔

دوسرے روز علی الصباح ہر ایک آدمی کو ایک ایک جھنڈا دیکر ایک ایک بیل کی پیٹھ پر سوار کرادیا۔ اس نے اپنی اس عجیب فوج کو درختوں کے پیچھے کھڑا کیا اور اُن کے آگے سواروں کی قطاریں کھڑی کردیں تاکہ پیچھے والے اچھی طرح نہ دکھائی دیں یہ سب کے سب درختوں میں سے ایک بڑی فوج معلوم ہوتی تھی جس کے ہاتھوں میں طرح طرح کے جھنڈے تھے۔ نقارہ بجاکر حریف سے مقابلہ کرنے کے لیے خلف حسن بصری نے میمنہ اور میسرہ کو مرتب کر کے بیحد آہستگی کیساتھ شاہی فوج کے مقابلہ میں آیا جب لڑائی شروع ہوئی تو شاہی فوج جو اُن دو غلاموں یعنی ہشیار اور بیدار کیساتھ تھی یہ دیکھ کر کہ سواروں کا ایک بڑا رسالہ آرہا ہے ڈر کر بھاگ گئی ہشیار (عین الملک) اور بیدار (نظام الملک) کو بھی حریف کی تازہ مدد پہنچنے کا یقین ہوگیا اور اپنے ارادوں میں ڈگمگانے لگے اس وقت آپ نے بڑی ہشیاری سے کام لیا اور اپنے ایک ہزار یک دل و یک زبان سپاہیوں کے ساتھ دشمن کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوئے ہشیار (عین الملک) اور بیدار (نظام الملک) دونوں قلب لشکر میں موجود تھے۔ ان امیروں نے دیکھا کہ میمنہ اور میسرہ کے افسروں نے میدان جنگ سے منہ موڑ لیا ہے تو خود بھی دو چار ہاتھ چلانے کے بعد فرار ہوئے یہ بڑے مزے کی بات ہوئی کہ شاہی فوج کوئی دو ہزار آدمیوں کے سامنے سے جو بیلوں کی پیٹھوں پر سوار تھی اور جن کے پاس سوائے لال اور ہرے جھنڈیوں کے کوئی ہتھیار نہ تھا، بھاگ نکلی آپ کو فتح ہوئی آپ نے شاہی فوج کا تعاقب کر کے بیشمار گھوڑے ہاتھی اور تمام مال غنیمت پر قبضہ کیا۔ اس لوٹ کے مال سے آپ نے اپنے لشکریوں کا سامان درست کیا۔

اس کے بعد آپ نے گلبرگہ سے چند کوس کے فاصلہ پر قیام کیا، اور شاہی لشکر کا ایک بڑا حصہ اور بہت سے شاہی امیر آپ سے مل گئے، فیروز شاہ باوجود مرض الموت میں مبتلا ہونے کے ہشیار (عین الملک) بیدار (نظام الملک) کے مشورے حسن خاں کو بادشاہ بناکر اور قلعہ کا انتظام چند معتبر امیروں کے سپرد کر کے خود پالکی میں سوار ہو کر

تین چار ہزار[1] فوج کے ساتھ آپ کے مقابلہ کے لیے نکلا آپ کو بادشاہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ بھی آگے بڑھے۔ جانبین سے صف آرائی ہونے لگی مگر اتفاقاً عین لڑائی کے وقت شدت بیماری سے فیروز شاہ بیہوش ہوگیا اور اس کے مرنے کی خبر مشہور ہوگئی۔ اس وجہ سے رہی سہی فوج بھی آپ سے جا ملی۔ ہشیار اور بیدار فیروز شاہ کی پالکی قلعہ میں لے گئے۔ جب قلعہ کے دروازے پر پہنچے تو فیروز شاہ کو ہوش آیا۔ مگر اب جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔ لیکن اس وقت آپ نے ادباً بادشاہ کا تعاقب نہیں کیا، ورنہ آپ چاہتے تو گرفتار کر لیتے۔

قلعے کے نیچے آکر آپ نے قیام کیا[2]۔ ہشیار اور بیدار[3] باتفاق حسن خاں قلعے پر چڑھے اور وہاں سے گولے مارنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس گولے جا جا کر گرنے لگے اور آپ کے خاص رفیقوں میں سے کچھ لوگ ان گولوں کی زد سے اڑ گئے۔ اس سبب سے آپ قلعہ کے عقب میں چلے گئے لیکن جب سلطان فیروز شاہ کو اس کی خبر ہوئی اس نے بیٹے کو بلا کر کہا کہ ہمیشہ سلطنت لشکر کی موافقت اور اس کی رفاقت سے ہوتی ہے۔ اب جبکہ ساری فوج تیرے چچا کی حکمرانی کی خواہاں ہے تو تجھے بھی لازم ہے کہ نزاع و فساد کو جو باعث زوال و تباہی ہے چھوڑ کر چچا کی اطاعت قبول کرے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے خاص متدین اور معتبر امراء، سادات اور علماء کو آپ کو بلانے کیلئے روانہ کیا اور قلعہ کا دروازہ کھلوا دیا۔ آپ معہ جماعت معتمدین قلعہ میں داخل ہوئے، اور اپنے بھائی کے قدموں پر گر کر جو حالت بیماری میں فرش تھا زار زار رونے لگے اور یہ دو بیتیں پڑھیں[4]:-

ازیں سر نوشتہ زبود و زیاں — فلک را بہانہ منم درمیاں
ازینش ستاند بآتش دہد — کند ہر چہ خواہد بما بر نہد

فیروز شاہ نے اظہار بشاشت کر کے کہا کہ میں نے تم کو اپنے حین حیات بادشاہ دیکھا، واللہ تم شایان سلطنت اور سزاوار مملکت ہو، اور استحقاق اس کا تمہیں کو پہنچتا ہے اور میں شفقت پدری سے حسن خاں کی ولیعہدی میں حتی المقدور سعی کرتا تھا جب کارفرمایان قضا و قدر میرے بعد تاج سلطنت تمہارے لیے نامزد کر چکے ہیں تو دوسرے کے لیے کوشش بے فائدہ ہے۔ اب تو حسن خاں کو تمہارے سپرد کیا۔ اٹھو، آج ہی تخت سلطنت پر جلوہ آرا ہو کر مہمات سلطنت کو انجام دینا شروع کر دیں۔ اسی روز کہ شہر شوال کی پانچویں تاریخ ۸۲۵ھ م ۱۵ استمبر ۱۴۲۲ء تھی تاج بادشاہی بھائی کا زیب سر کر کے تخت فیروزہ پر جلوہ گر ہوئے اور اپنا نام "احمد شاہ بہمنی" رکھا۔ خطبہ اور سکہ دکن کا اپنے نام پر جاری کیا۔

---

[1] لیکن برہان ماثر میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ سات ہزار سوار فوج کے ساتھ مقابلہ کیلئے قلعہ سے باہر نکلا۔ دوسرے دن سلطان کو معلوم ہوا کہ صرف تین ہزار فوج سلطان کے ساتھ باقی ہے اور سب فوج احمد شاہ سے مل گئی تو وہ بغیر جنگ لڑے واپس ہوگیا۔ اور سادات اور علمائے دربار کے ذریعہ قلعہ کی کنجیاں آپ کے پاس روانہ کیں۔
[2] فرشتہ۔ لیکن برہان ماثر میں لکھا ہے کہ آپ نے مسجد گلبرگہ کے قریب قیام کیا۔
[3] فرشتہ۔ برہان ماثر میں اس کا تذکرہ نہیں۔

باب سوم

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی تخت نشینی

آپ کے سنہ جلوس میں مورخین کو اختلاف ہے۔ فرشتہ، برہان ماثر اور ہفت اقلیم کے مورخوں نے لکھا ہے کہ آپ ۵ رشوال ۸۲۵ھ کو تخت نشیں ہوئے۔ تذکرۃ الملوک میں آپ کا سنہ ۸۳۰ھ میں تخت نشیں ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آپ کے زمانے کے سکّوں سے بھی فرشتہ، برہان ماثر اور ہفت اقلیم ہی کی تائید ہوتی ہے۔ لہذا آپ ان مورخوں کے بیان کے مطابق ۵ رشوال ۸۲۵ھ م ۲۲ ستمبر ۱۴۲۲ئ میں تخت نشیں ہوئے اور آپ کے بھائی فیروز شاہ بہمنی نے اپنی کمر سے تلوار نکال کر آپ کی کمر میں لگائی۔ اور خود ہی تخت فیروزہ پر ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔ تخت نشینی کے وقت آپ کی عمر ۵۰ سال کی تھی۔

اکابر و اعیان ملک، سادات، مشایخ، علماء و فضلاء، اُمراء و جمہور نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُمراء، وزراء نے حسب دستور مبارک باد دی اور نذریں گذرانیں۔ علماء و مشایخ و شعراء نے تہنیت میں اشعار مدحیہ و جملات دعائیہ پڑھے۔ تمام درباری مسرور اور شاداں ہوئے اور زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کہ دونوں بھائیوں میں اتفاق ہو گیا تھا۔[1] خاص و عام آپ کے اخلاق اور بھائی اور بھتیجے کے ساتھ آپ کی محبت دیکھ کر نہایت مطمئن تھے۔ اور فیروز شاہ کی دور اندیشی و انصاف پسندی کی بھی بے انتہا تعریف و توصیف کرتے اور کہتے تھے کہ فیروز شاہ نے انصاف اور ہوشمندی سے بیٹے کی محبت کو بالائے طاق رکھ کر شاہزادہ حسن خاں کو ولیعہدی سے

---

[1] محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین دکن حصہ اول مولفہ مولوی عبد الجبار خاں صوفی۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی

معزول کرکے بھائی کو تخت نشیں کیا! اگر نہ کرتا تو لاکھوں آدمیوں کی جانیں جاتیں۔ ملک و رعایا برباد و تباہ ہوتے۔ تخت نشینی کے بعد آپ نے سادات و مشائخ، علما، و فضلا، و امراء و جمہور کو بے انتہا انعامات اور گراں قدر تحائف سے سرفراز فرمایا! و رمہمات سلطنت کے انتظام میں بھائی کے حکم کے مطابق مشغول ہوگئے۔

آپ بھائی کا معالجہ ہوشیار حکیموں سے کراتے اور ہر روز صبح و شام بھائی کی عیادت و سلام کے لیے جاتے اور تسلی و دلاسا دیتے تھے۔ بھائی آپ کو عدل و انصاف و حفاظت رعایا کے لیے نصیحت کرتا اور یہ بھی کہتا تھا کہ شاہزادہ حسن خاں اور مبارک خاں اور دیگر اعزہ کے ساتھ عمدہ سلوک کیا کریں۔

آپ[1] کی تخت نشینی کے بعد دس روز تک زندہ رہ کر فیروز شاہ نے بروز دوشنبہ ۱۵ شوال ۸۲۸ھ م ۲ اکتوبر ۱۴۲۲ء کو انتقال کیا۔ برہان ماثر کا بیان ہے کہ فیروز شاہ کا انتقال ۱۱ شوال ۸۲۵ھ کو ہوا لیکن ہفت اقلیم کے مؤلف کا بیان ہے کہ فیروز شاہ کا انتقال آپ کی تخت نشینی کی شب یعنی ۵ شوال ۸۲۵ھ کو ہوا جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ زیادہ تر مورخین ۱۵ شوال کی تائید میں ہیں۔ غرض انتقال کے بعد آپ نے تجہیز و تکفین کی تیاری کرکے جنازہ شاہانہ دبدبہ اور عظمت سے اٹھا کر باپ دادا کے پہلو میں دفن کیا لیکن مفرح القلوب[2] کے مولف نے لکھا ہے کہ "فیروز شاہ کو اس کی وصیت کے مطابق اسی کے تیار کروائے ہوئے گنبد میں جو شاہ کمال پیرؒ کے پہلو میں تھا دفن کیا گیا۔ بظاہر مفرح کا قول فرشتہ کے قول سے صحیح و مرجح معلوم ہوتا ہے" لیکن میری تحقیق میں فرشتہ کا قول صحیح ثابت ہوتا ہے کیونکہ فیروز شاہ کا گنبد گلبرگہ میں سلاطین بہمنیہ کے گنبدوں کے سلسلہ میں واقع ہے۔

فیروز شاہ کی موت کے متعلق بھی مورخین میں اختلاف ہے۔ برہان ماثر اور فرشتہ میں

---

[1] ۔ فرشتہ۔

[2] ۔ مفرح القلوب آج کل ناپید ہے اس واقعہ کو مولانا صوفی عبدالجبار صاحب نے اپنی کتاب محبوب الوطن (تذکرہ سلاطین دکن) میں لکھا ہے اور مورخین نے اسی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

لکھا ہے کہ فیروز شاہ بیمار تھا اور اسی بیماری کی وجہ سے انتقال کیا لیکن انھیں کا بیان ہے کہ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ آپ نے اپنے بھانجے شیر خاں کے وسوسہ و تحریک سے اُسی کے ذریعہ فیروز شاہ کا گلا گھونٹوا دیا تھا۔

برہان ماثر کے مولف نے اسی واقعہ کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ کے بھانجے شیر خاں نے آپ کو مشورہ دیا کہ فیروز شاہ کی موجودگی بغاوت کا باعث ہوگی کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں اسی طرح دو بادشاہ ایک مقام پر نہیں رہ سکتے۔ پس آپ نے بھانجے کے اس مشورے سے اتفاق کر کے بھائی کو پوشیدہ طور پر مروا ڈالا بقول تذکرۃ الملوک چھوٹے بڑے مہمات سلطنت کو سلطان فیروز شاہ آپ کے حوالے کر کے خود عبادت الٰہی میں مشغول ہو گیا آپ تمام امور سلطنت پر حاوی ہو گئے اور تمام اُمراء و ارکان دولت اور سپاہی آپ کے مطیع و فرماں بردار بن گئے اس کے بعد آپ فیروز شاہ کی مخالفت کرنے لگے ایک روز ایک شخص نے سلطان فیروز شاہ سے عرض کیا کہ سلطان احمد تمہاری مخالفت کر کے مستقل بادشاہ ہونا اور تم کو سلطنت سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ بلا خدشہ بادشاہت کریں پس تمہیں ہر کام میں ان سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ یہ سنکر فیروز شاہ نے جواب دیا کہ تقدیر سے کیا چارہ ہے مجھے یقین ہے کہ میرے بعد وہی بادشاہ ہوں گے۔

مشہور ہے کہ فوج کے ستر سپاہی فیروز شاہ کے مخالف تھے فیروز شاہ نے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا آپ نے فیروز شاہ سے عرض کر کے ان کے گناہ معاف کرا کر قتل سے بچا لیا اور ان کے قرب و منزلت میں بھی اضافہ کیا اس لیے انھوں نے فیروز شاہ کے قتل میں آپ کا ساتھ دیا۔

سلطان فیروز شاہ کے ہاں بہت سے حبشی غلام تھے جو دن رات اس کی خدمت کیا کرتے تھے ان میں سے ایک غلام توشک خانہ (جامہ خانہ) کا افسر تھا جو ہر صبح خلوت میں جاکر سلطان کا لباس بدلا کرتا تھا آپ نے اس غلام کا قرب اور منزلت زیادہ دیکھی تو اس کو فریب دے کر فیروز شاہ کے قتل پر آمادہ کیا۔ ایک دن آپ فیروز شاہ کے قتل کے ارادہ سے محل میں داخل ہوئے۔ فیروز شاہ کے پاسبان اس سے واقف ہو کر آپ کے ساتھیوں سے لڑنے لگے دونوں طرف کے کئی آدمی اس لڑائی میں مارے گئے۔ بالآخر حبشی افسر توشک خانہ نے جو آپ کا

سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی

محرم راز تھا پایا سبا لنوں سے کہا کہ میں جا کر سلطان فیروز کو سلطان احمد کے ارادہ قتل سے آگاہ کرتا ہوں اور آپ سے کہا کہ میں لڑائی کے وقت خلوت میں جا کر فیروز شاہ کا کام تمام کر دوں گا۔ پس اس موقع کو غنیمت جان کر وہ فیروز شاہ کی خلوت گاہ میں گیا اس وقت فیروز شاہ کلام اللہ کی تلاوت کر رہا تھا اس بدبخت حبشی نے خنجر مار کر فیروز شاہ کو قتل کر دیا اور لوگوں کو سلطان کے قتل کی اطلاع دی۔ فیروز شاہ کا لشکر اس خبر کو سُن کر جنگ سے منھ موڑ کر اپنی اپنی جگہ واپس ہو گیا۔ بعض اُمرائے فیروز شاہ کے بڑے لڑکے کو تخت پر بٹھانا چاہا لیکن اسی وقت آپ اس لڑکے کو قتل کر کے خود تخت نشیں ہو گئے۔

مراۃ العالم کے مولف کا خیال ہے کہ فیروز شاہ نے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا اور اپنے بیٹوں کے لیے سفارش کی اور اس کے چند روز کے بعد فیروز شاہ کو زہر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔ کیمبرج ہسٹری[1] آف انڈیا جلد سوم میں ہے کہ آپ کی تخت نشینی کے وقت فیروز شاہ مرض الموت میں مبتلا تھا اس کی موت کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے بعض مورخوں کا خیال ہے کہ اس کو زہر دیا گیا جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔

میری تحقیق میں تمام روایات بالا بالکل غلط ثابت ہوتی ہیں اور فرشتہ اور برہان ماثر کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تخت نشینی کے وقت فیروز شاہ[2] مرض الموت میں مبتلا تھا اور

---

[1] کیمبرج ہسٹری جلد سوم میں یہ مضمون سر ولزلی ہیگ کا لکھا ہوا ہے اس نے تین تاریخوں کا ذکر کیا ہے لیکن نہیں معلوم ان تینوں سے کونسی تاریخیں مراد ہیں۔ میری تحقیق میں صرف مراۃ العالم میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ کو زہر دیا گیا تھا اور فرشتہ، برہان ماثر اور تذکرۃ الملوک میں لکھا ہے کہ اس کو قتل کیا گیا تھا یہ چاروں تاریخیں اور ان کے مورخ فیروز شاہ کے ہمعصر نہیں تھے پس معلوم نہیں ہو سکا کہ سر ولزلی ہیگ کی تحقیق میں وہ کونسی تاریخیں ہیں جو فیروز شاہ کی ہمعصر تھیں۔

[2] اس کی تائید تمام حسب بالا تاریخوں سے ہوتی ہے۔

اسی مرض کی وجہ سے وہ آپ کی تخت نشینی کے دس روز کے بعد مرگیا اس کو نہ قتل کیا گیا اور نہ زہر دیا گیا کیونکہ آپ سراپا رحم ومحبت اور نہایت رفیق القلب وصوفی مشرب تھے ممکن نہیں کہ اس قسم کا فعل آپ سے صادر ہوا ہو۔ کیونکہ آپ کو بھائی کے جانب سے کسی قسم کا اندیشہ وخوف نہیں تھا خود بھائی نے آپ کو اپنی زندگی میں بادشاہ بنادیا تھا۔ ہاں اگر آپ تخت نشین نہ ہوتے تو بھائی کو قتل کرنے کا گمان ایک حد تک صحیح ہوسکتا تھا اس کے علاوہ آپ کو بھائی اور بھتیجے سے بے انتہا محبت تھی جس وقت آپ قلعہ گلبرگہ کا محاصرہ کیئے ہوئے تھے اس وقت ہوشیار اور بیدار باتفاق حسن خاں قلعہ پر چڑھے اور وہاں سے آپ پر گولے مارنے شروع کیئے یہاں تک کہ آپ کے پاس گولے گرنے لگے اور آپ کے خاص رفیقوں میں سے کچھ لوگ ان گولوں کی زد سے اڑ گئے۔ ایسے موقع پر آپ نے حسن خاں کا مقابلہ نہیں کیا۔ اگر آپ چاہتے تو حسن خاں اور اس کے سارے ساتھیوں کو قتل کرادیتے کیونکہ فیروز شاہ کی تمام بہترین فوج آپ سے مل گئی تھی۔ آپ نے حسن خاں کی محبت کی وجہ سے مقابلہ نہیں کیا بلکہ قلعہ کے عقب میں چلے گئے جہاں حسن خاں کے گولے نہیں آسکتے تھے۔ دوسری مرتبہ جب فیروز شاہ خود آپ کے مقابلے کے لیے آیا اور بے ہوش ہوکر واپس ہوا تو اس وقت بھی اگر آپ چاہتے تو بھائی کا تعاقب کرکے گرفتار کرلیتے اور قتل کرادیتے لیکن آپ نے ادباً بادشاہ کا تعاقب نہیں کیا۔ کیونکہ آپ بھائی اور بھتیجے کا خیال ہمیشہ رکھتے اور کبھی ادب کے دائرہ سے قدم باہر نہیں رکھتے تھے۔ جس وقت فیروز شاہ نے قلعہ کا دروازہ کھول کر آپ کو اندر بلایا اس وقت آپ ادب سے بھائی کے قدموں پر سر رکھ کر زار زار رونے اور عذر معذرت کرنے لگے اور پھر ادب سے اپنی قدیم جگہ کھڑے ہوگئے جہاں آپ ہمیشہ دربار میں زمانہ خان خاناگی میں کھڑے رہتے تھے۔ جب آپ بھائی کا اس قدر ادب ولحاظ رکھا کرتے تھے تو آپ سے کیسی امید ہوسکتی ہے کہ آپ نے بھائی کو قتل کروایا یا زہر دلوایا ہو اس کے علاوہ شاہزادہ حسن خاں کے ساتھ آیندہ آپ نے جو برتاؤ کیا اس سے بھی یہ امر خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ تذکرۃ الملوک کا دعوے کہ آپ نے بھتیجے کو بھی قتل کروادیا بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی تائید کسی اور تاریخ سے نہیں ہوتی۔ فرشتہ کے قول کی تائید متعدد تواریخ سے

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی تخت نشینی

ہوتی ہے اس لیے وہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے بھتیجے کے ساتھ جو سلوک کیا اس کو میں ذیل میں قلمبند کروں گا۔ حسن خاں آپ کے زمانے میں زندہ تھا اور نہایت عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ تذکرۃ الملوک کا تمام بیان از ابتدا تا آخر بالکل غلط اور بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔ فرشتہ اور برہان ماثر نے کسی تاریخ کا نام یا حوالہ نہیں دیا ہے جس میں فیروز شاہ کے قتل کا ذکر کیا گیا ہو بلکہ انھوں نے لکھا ہے کہ "بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ احمد خاں نے اپنے بھانجے شیر خاں کے ذریعہ فیروز شاہ کا گلا گھونٹوا دیا"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتہ اور برہان ماثر کے مولفین کو اس میں شک ہے اگر انھیں اس واقعہ کا یقین ہوتا تو تواریخ کا حوالہ ضرور دیتے جیسا کہ انھوں نے اکثر واقعات کے ضمن میں دیا ہے۔

مہمات سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد آپ نے سب سے پہلے خلف حسن بصری کو وکیل امور سلطنت کرکے ہزار دو صدی کا منصب عطا کیا اور ملک التجار کا خطاب دیا۔ اور ہوشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک غلاموں کی وفاداری اور آقا پرستی کی قدر فرماکر آپ نے اول الذکر کو خطاب امیر الامرائی دے کر ہزار و پانصدی کے منصب اور آخر الذکر کو دولت آباد کی فوج کی سپہ سالاری اور منصب دو ہزاری سے سرفراز فرمایا اور فیروز شاہ کے بیٹے حسن خاں کو جو وارث تاج و تخت تھا اور جمیع ارکان دولت جس کے اندھا، قتل یا قید کرنے کی صلاح دیتے تھے منصب پانصدی عطا کیا اور فیروز آباد جاگیر میں دیا اور وہاں اس کو آزادی سے رہنے اور اگر جی چاہے تو فیروز آباد سے چار کوس کے فاصلہ تک بلا اجازت سیر و شکار کرنے کی اجازت بھی عطا کی۔ یہ شہزادہ آپ کی زندگی تک وہاں سیر و شکار میں مشغول رہ کر اپنی زندگی خوب مزے سے بسر کرتا رہا اور اس بے فکری کی زندگی کو تاج شاہی سے لاکھ درجہ غنیمت سمجھا۔[1] اس کے علاوہ فیروز شاہ کی نصیحت کے مطابق آپ نے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھی نہایت عمدہ سلوک کیا جس کی وجہ سے وہ

---

[1] فرشتہ کا بیان ہے کہ حسن خاں نے کبھی چچا کے دل کو اپنے سے آزردہ اور رنجیدہ نہ ہونے دیا۔ چچا کی وفات کے بعد حسن خاں کے سر پر مصیبت آئی اور چچا کے جانشینوں نے اس کو نابینا

آپ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اور اُمراء و وزراء و مشائخ و علماء و فقراء و شعراء کو آپ نے صلات و عطیہ جاگیرات سے ممتاز فرمایا جس کی وجہ سے تمام آپ کے احسان و کرم کے شکر گذار ہو گئے۔

برہان مآثر میں ہے کہ آپ کے سات[1] صاحبزادے تھے۔ ان میں سے بڑے صاحبزادہ کا نام ظفر خاں تھا آپ نے بادشاہ ہونے کے بعد خان خانان کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ دوسرے صاحبزادے کو محمود خاں کا خطاب اور تیسرے صاحبزادے کو محمد خاں کا خطاب

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) کر کے فیروز آباد کے قلعہ میں قید کر دیا جہاں اسی حالت میں اس نے وفات پائی۔ اس کے نابینا کرنے کی کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی ہے لیکن کسی قدیم تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے حسن خاں کے بھائی مبارک خاں کی لڑکی نرگس بی بی سے جو تاریخ دکن میں ملکہ مخدومہ جہاں کے نام سے یاد کی جاتی ہے سلطان علاء الدین احمد شاہ دوم بن سلطان احمد شاہ ولی بہمنی نے اپنے ولی عہد شاہزادہ ہمایوں شاہ بہمنی کی شادی کی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ احمد شاہ اور فیروز شاہ کی اولاد میں خوشگوار تعلقات قایم تھے۔ اور شادی بیاہ کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کے علاوہ کسی تاریخ سے دونوں کی اولاد کے ناخوشگوار تعلقات ہونے کا پتہ نہیں چلتا اگر ہوتے تو شادی بیاہ کا ہونا ناممکن تھا اس کے سوا حسن خاں سے یہ امید بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اس نے چچا کے انتقال کے بعد سلطنت حاصل کرنے کے لیے کوشش کی ہو جس کی وجہ سے اس کو اندھا کیا گیا کیونکہ وہ عیش کا متوالا تھا اور اس کو دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی۔ اور بغیر اجازت وہ فیروز آباد سے باہر چار کوس سے زیادہ نہیں جا سکتا تھا۔ اور نہ اس کے پاس فوج وغیرہ تھی۔ غرض ایسے عیش پسند شخص سے سلطنت حاصل کرنے کی کوشش کرنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا احمد شاہ کے جانشینوں کا حسن خاں کو اندھا کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

[1] برہان مآثر اس کے متعلق مفصل بحث آیندہ باب "احمد شاہ کے آخری ایام" میں کی جائے گی کیونکہ دیگر تواریخ سے آپ کے صرف چار صاحبزادوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے اس میں ان چاروں کے نام بھی دیئے ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے برہان مآثر کی روایت غلط ثابت ہوتی ہے۔

تخت نشینی

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی

عطا فرمایا ظفر خاںؔ آپ کے بڑے صاحبزادے اور ولی عہد تھے۔ مگر دوسرے تمام مورخوں نے بڑے صاحبزادے کا نام علاء الدینؔ لکھا ہے اور کسی نے ظفر خاںؔ کا نام نہیں لکھا ہے۔ صاحبزادوں کو جو خطابات دیئے گئے ہیں ان کا ذکر بھی کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ فرشتہ میں اس کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ برہان ماثر سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ باقی چار صاحبزادوں کے نام کیا تھے اور انھیں کیا کیا خطابات عطا کیئے گئے تھے۔ میری تحقیق میں صاحبزادوں کو بادشاہ ہوتے ہی خطابات سے سرفراز فرمانا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا اور کسی دوسری تاریخ سے اس کی تائید بھی نہیں ہوتی ہے۔

غرض آپ نے اپنے پاکیزہ اخلاق اور دلکش عنایتوں سے سب خاص و عام کو اپنا مطیع بنالیا اور ہر شخص کے دل میں آپ کی جگہ ہوگئی جس کی تائید آیندہ واقعات سے ہوگی۔ ان تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے انتظامات سلطنت کی طرف توجہ کر کے ہر شعبہ کو ترقی دی۔

باب چہارم

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

آپ کو جو سلطنت ملی وہ فیروز شاہ کے آخری زمانے میں فتوحات کے باعث بہت وسیع ہوگئی تھی۔ خزانہ بھرا ہوا تھا سوار اور پیادہ فوج کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔ فیلخانہ میں تین سو سے زیادہ جنگی ہاتھی تھے علی ہذالقیاس ترکی، عربی اور عراقی گھوڑے بہت تھے۔ شترخانہ میں بہت اونٹ تھے۔ آلاتِ حرب وجنگ اور سامان توپ و تفنگ یعنے گولوں کے تودے اور باروت کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے۔ سلح خانہ، توشکخانہ اور آبدار خانہ وغیرہ کارخانہ جات بھی معمور تھے۔ لیکن فیروز شاہ کو اس کی آخری عمر میں بیجانگر کے آخری حملہ میں شکست ہوئی تھی اس جنگ میں صدہا سپاہیوں کا قتل عام ہوا مسجدیں شہید کی گئیں اور گاؤں اور شہر تباہ و بے چراغ ہوئے غرض ہر طرح کے ستم توڑے گئے اور سلطنت کا ایک بڑا علاقہ دیوائے کے قبضہ میں چلا گیا تھا لیکن آپ نے ہر طرف سے لشکر جمع کر کے اس زور و شور سے حملہ کیا کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکا اور آپ نے اس کا پیچھا کر کے اس کو حدودِ مملکت بہمنیہ سے باہر کر دیا لیکن اس کی وجہ سے ملک تباہ، رعایا پریشان اور خزانہ خالی ہوگیا تھا۔ فوج بھی بہت کم ہوگئی تھی۔ غرض آپ کو جو سلطنت ملی تھی وہ رقبہ میں تو بہت وسیع تھی لیکن اس میں انتشار اور جھگڑے تھے اور ہر طرف پریشانی اور عام ابتری پھیلی ہوئی تھی۔

لہ۔ فرشتہ۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

جس زمانے میں آپ بادشاہ ہوئے ہیں ہندوستان کی عام سیاسی حالت یہ تھی کہ سارے ملک میں ابتری اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ مرکزی سلطنت برائے نام رہ گئی تھی یا طاقتور صوبہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ اس کا اندازہ ذیل کے حالات سے ہو سکتا ہے۔

دہلی پر خاندان سادات کی حکومت تھی لیکن ان کی سلطنت صرف دہلی اور اس کے نواح تک محدود تھی۔ جونپور میں سلاطین شرقی آزادی کا جھنڈا اڑا رہے تھے۔ راجپوتانہ کے چھوٹے چھوٹے راجہ خود مختاری کے نشے میں چور تھے۔ گجرات میں آل مظفر کی فرمانروائی تھی۔ وسط ہند میں خاندان فاروقیہ اور مالوہ میں خانوادۂ خلجیہ کا زور تھا۔ دکن آپ کے زیر نگیں تھا۔ بیجانگر کی ہندو ریاست ساحل ملابار و کوکن سے لیکر دریائے کرشنا کے جنوبی کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ ساحل کارومنڈل پر رایانِ اڑیسہ کا تسلط تھا جو دکن کی فتح کے خواب دیکھ رہے تھے۔ غرض ملک ہند بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا جن میں ہمیشہ لڑائی اور فساد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔[1]

آپ کو جو سلطنت ملی تھی خود اس کی حالت یہ تھی کہ اس کے جنوب میں بیجانگر کی طاقتور سلطنت موجود تھی جو ہمیشہ اس تاک میں رہتی تھی کہ جب کبھی موقع ملے سلطنت بہمنیہ کو ہضم کر جائے۔ مشرق میں رایانِ اڑیسہ تھے اور یہ بھی سلطنت بہمنیہ کا نام و نشان مٹانے پر آمادہ نظر آتے تھے۔ شمال میں سلاطینِ مالوہ و خاندیس اس کے جانی دشمن تھے۔ مغرب میں سلاطینِ گجرات بھی اس ریاست پر دندان آز تیز کیے ہوئے تھے۔ یہ تو بیرونی حالات تھے۔ اندرونی حالات بھی کچھ اطمینان بخش نہیں تھے۔ ملکی اور غیر ملکی کا جھگڑا ایک زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ یہاں اکثر ایسے مسلمان تھے جن کی دو چار نسلیں اس ملک میں گذر چکی تھیں۔ یہ لوگ نو واردوں کو آفاقی یا غیر ملکی کہا کرتے تھے اور سلاطینِ بہمنیہ کے وزراء، اُمراء، اور فوج میں غیر ملکی لوگ ہوا کرتے تھے۔ اس طرح دکنیوں کا اثر دربار اور میدان جنگ میں بہت کم ہو رہا تھا۔ اس لیے جب سلاطینِ بہمنیہ اپنے ہاں کسی غیر ملکی کو ملازم رکھتے تو یہ بہت ناراض ہوتے اس طرح یہاں ملکیوں اور غیر ملکیوں کی دو پارٹیاں بن گئیں تھیں جن میں ہمیشہ رقابت رہا کرتی تھی اس کی وجہ سے ملک میں آئے دن فتنہ و فساد برپا رہا کرتا۔ اول اول آپ کے زمانے میں

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم

اس رقابت نے زور پکڑا کیونکہ آپ نے غیر ملکیوں کی ایک بڑی تعداد کو فوج میں بھرتی کر لیا تھا اور اسی رقابت کی وجہ سے کئی جنگیں اور کشت و خون ہوئے۔ آپ نے اس کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کیں جن سے یہ فتنہ فرو ہوا لیکن سلطان علاء الدین احمد شاہ دوم کے زمانے میں یہ فساد اس قدر بڑی قوت کے ساتھ ظاہر ہوا کہ سلطنتِ بہمنیہ کا خاتمہ ہی کر دیا۔

سلطان ولی بہمنی انتظامات

غرض ایسے پُر آشوب زمانے میں آپ تخت شاہی پر متمکن ہوئے۔ آپ قواعدِ لشکر کشی اور آئینِ فرمانروائی خوب جانتے تھے اس لیے بجائے بدلہ لینے، فتوحات کا سلسلہ شروع کرنے اور حدودِ سلطنت کو مستحکم کرنے کے آپ نے سب سے پہلے انتظام مہمات سلطنت اور اندرونی استحکام کی طرف اپنی توجہ مبذول کی ابتداء میں آپ نے اپنی بے مثل انتظامی قابلیت کو جو آپ کے تجربہ کار ہوشیار اور کار آزمودہ ہونے پر دلالت کرتی ہے کام میں لا کر فیروز شاہ کے زمانہ کے انتظام میں کچھ تغیر نہیں کیا مگر رفتہ رفتہ بعد میں بعض خدماتِ قدیمہ پر جدید عہدہ دار مقرر کیے اور اُمراء، وزراء و مشائخ و علماء و فقراء و شُعراء کو صلات عطیہ جاگیرات سے ممتاز فرمایا۔

ذیل میں سلطنت بہمنیہ کے مختلف شعبوں کے متعلق تفصیل سے لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ سلطنتِ کے استحکام کے لیے آپ نے انھیں میں اصلاحات نافذ کیں جن سے آپ کا تدبر اور دانشمندی ظاہر ہے۔

انتظامی اصلاحات

۷۵۹ھ م ۱۳۵۳ء[1] میں جب سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی نے وفات پائی ہے تو اس زمانے میں سلطنت ملک مہاراشٹر اضلاع رائچور، مدگل اور کرناٹک اور تلنگانہ کے صوبے کے تھوڑے سے حصے تک محدود تھی۔ سلطان احمد شاہ بن سلطان علاء الدین حسن گانگو نے تخت نشین ہونے کے بعد سلطنت بہمنیہ کو چار صوبوں یعنی گلبرگہ، دولت آباد، تلنگانہ اور برار میں منقسم کیا اور ہر ایک صوبہ کئی ضلعوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر ضلع کا رقبہ تین سو میل تھا اور ہر ضلع تقسیم تھا کئی تعلقات میں اور ہر تعلقہ کئی دیہات میں۔ صوبے کا خاص عہدہ دار صوبہ دار تھا جس کو بہمنیوں کی اصطلاح میں طرفدار یا نائب اور

---

[1] فرشتہ۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

سرلشکر کہا کرتے تھے۔ تمام صوبے کی مالگزاری اور مالیات کے معاملات اور فوجی اور جنگی انتظامات اسی کے سپرد تھے۔ اور صوبے میں امن وامان قایم رکھنا بھی اسی کے فرایض میں داخل تھا اس کا تقرر راست بادشاہ کی طرف سے عمل میں آتا تھا۔ اس کے ماتحت عہدہ داروں کا تقرر یہ خود کرتا تھا۔ صوبے کے تمام قلعے اسی کے ماتحت ہوتے تھے۔ یہ جس شخص کو چاہتا تھا اپنی طرف سے قلعہ کا تھانہ دار مقرر کرتا تھا۔ محمد شاہ بن علاء الدین حسن گانگو بہمنی نے ممالک محروسہ کے ہر طرفدار کو جدا خطاب دیا تھا جیسے دولت آباد کے طرفدار کا خطاب "مسند عالی" طرفدار برار کا خطاب "مجلس عالی" طرفدار تلنگانہ کا خطاب "اعظم ہمایوں" اور طرفدار پایہ تخت گلبرگہ (حسن آباد) اور بیجاپور کا خطاب "وکیل السلطنت" اور "ملک نائب" بھی تھا۔ ممالک محروسہ کے سپہ سالار کو امیرالامراء کا خطاب عطا ہوتا تھا۔ مدتوں تک یہ خطابات دکن میں رائج رہے۔ آپ کے زمانے میں ملک کا رقبہ بہت بڑھ گیا تھا۔ بیجانگر، تلنگانہ، کاکن اور اڑیسہ کے اکثر علاقے سلطنتِ بہمنیہ میں شامل ہو چکے تھے لیکن باوجود اس وسعت کے ملک کی تقسیم اب بھی وہی تھی جس کو سالہا سال پیشتر محمد شاہ بن سلطان علاء الدین حسن گانگو نے کی تھی۔ اس سے یہ خرابی پیدا ہو رہی تھی کہ طرفدار بہت طاقتور ہوتے جا رہے تھے اور بادشاہ کا ان کو پوری طرح قابو میں رکھنا دشوار نظر آ رہا تھا۔ آپ نے اس صورت حال کو ملک کے لیے خطرناک تصور کیا اور ان طرفداروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کے رقبے اور اقتدارات میں کمی کر کے ان کے اختیارات کی ایک حد معین کر دی اس کی وجہ سے طرفداروں کی طاقت کم ہو گئی اور آپ کو ان پر پورا قابو حاصل ہو گیا۔ آپ نے ملک کی تقسیم میں کوئی ردّ و بدل نہیں کیا کیونکہ اس سے ملک میں بدامنی اور فساد پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ آپ نے اپنی دور اندیشی اور تجربہ کارانہ پالیسی کو کام میں لا کر آیندہ پیش آنے والے خطرے سے ملک کو بچا لیا اور طرفداروں کی طاقت میں کمی کر کے اپنی طاقت میں بہت اضافہ کر لیا۔ آپ کے بالکل برعکس خواجہ جہاں عماد الدین محمود گاواں[1] وزیر محمد شاہ بن ہمایوں شاہ بہمنی نے ملک کو بجائے چار صوبوں کے آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔ اور طرفداروں یا سرلشکریوں کے

---

[1] فرشتہ۔

اقتدارات میں بھی بہت زیادہ کمی کر دی اس کی وجہ سے خود غرض ارکانِ سلطنت کے منصوبوں میں خلل پڑنے لگا اور انھوں نے خواجہ جہاں سے دشمنی کرکے اس کو قتل کرادیا اور ملک میں اسی کی وجہ سے فتنے اور فسادات پیدا ہوئے جس کا نتیجہ سلطنتِ بہمنیہ کے خاتمہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آپ نے قدیم تقسیم کو ہی قایم رکھا تھا جس کی وجہ سے سلطنت بہمنیہ کو خوب ترقی و عروج نصیب ہوا۔

آپ نے اپنے عہد میں ہر ایک طرفدار کو دو ہزار گھوڑوں کے سپہ سالار کا رتبہ دے رکھا تھا اور اس کی صوبہ واری فوج اسی تعداد تک معین نہیں تھی بلکہ اس میں اس وقت اضافہ ہوتا تھا جبکہ آپ خود بہ نفس نفیس بڑے جاگیرداروں کی کثیر فوج کے ساتھ میدان جنگ میں تشریف لے جاتے اس سے طرفداروں کے تحت ایک وسیع علاقہ ہونے کے باوجود ان کی قوت کم ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ان کے سرکشی و بغاوت کرنے یا سلطنت کے خلاف سازش میں شریک ہونے کا اندیشہ باقی نہیں رہا تھا۔

آپ نے حسب ذیل اشخاص کا تقرر ان صوبوں کی طرفداری و سرلشکری پر فرمایا جو نہایت تجربہ کار اور موزوں تھے۔

۱۔ بیدار نظام الملک طرفدار و سرلشکر دولت آباد۔ ۲۔ عبدالقادر خاں جہاں طرفدار برار ۳۔ عبداللطیف خاں اعظم طرفدار تلنگانہ۔ ۴۔ خلف حسن بصری ملک التجار طرفدار ملک نائب و وکیل السلطنت پایہ تخت حسن آباد گلبرگہ و بیجاپور۔

سلطنتِ بہمنیہ میں[1] قدیم سے آٹھ وزارتیں قایم تھیں جو آپ کے زمانے میں بھی برابر جاری رہیں ان کے نام اور فرائض حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وکیل السلطنت۔ ۲۔ وزیر کل۔ ۳۔ امیر جملہ۔ ۴۔ وزیر اشراف۔ ۵۔ ناظر۔ ۶۔ پیشوا۔ ۷۔ کوتوال۔ ۸۔ صدر جہاں۔

اس وقت کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان عہدوں سے کیا کیا کام متعلق تھے۔

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم۔

طان احمد شاہ
لی بہمنی کے
ظامات سلطنت

البتہ اس قدر پتہ چلتا ہے کہ وکیل السّلطنت کا رتبہ سول عہدوں میں سب سے اعلیٰ تھا اور وہ زیادہ تر بطور نائب بادشاہ کے ہوتا تھا اور بادشاہ کی غیر حاضری میں کاروبار سلطنت کو انجام دیتا تھا۔ جب کبھی کوئی شخص اس عہدہ پر مقرر ہوتا تھا تو اس کو ایک انگشتری بطور علامت عہدہ دی جاتی تھی۔ وزیر کل کے ذمے اندرونی انتظامات سلطنت تھے۔ امیر جملہ کو صدر المہام فینانس کہنا چاہیئے کیونکہ اس کے ذمے تمام سلطنت کے مالیات کا انتظام ہوتا تھا۔ وزیر اشراف کے فرائض میں خارجی معاملات اور سرکاری رسومات کی ادائی داخل تھی۔ ناظر کو معتمد فینانس کہنا چاہیئے کیونکہ یہ عہدہ دار امیر جملہ کے مددگار کی حیثیت سے کام کیا کرتا تھا۔ پیشوا وکیل السّلطنت کے ہر کام میں شریک ہوا کرتا تھا اور اس کے کاروبار میں مدد دینا اس کا فرض تھا۔ غرض اس کے فرائض وکیل السّلطنت کے فرائض سے ملتے جلتے تھے۔ کوتوال نہ صرف افسر پولیس تھا بلکہ معمولی مجرموں کو بحیثیت مجسٹریٹ سزا بھی دیتا تھا اور مہتمم محابس بھی ہوا کرتا تھا۔ صدر جہاں قاضی القضاۃ کا لقب تھا۔ یہ چیف جسٹس اور صدر المہام امور مذہبی و اوقاف کی خدمت انجام دیتا تھا اور اکثر اوقات ایک ہی شخص کو متعدد عہدے دیئے جاتے تھے۔[۱]

ان وزارتوں کے علاوہ سلاطینِ بہمنیہ کے دربار میں چار دو ہزاری منصبدار بھی رہتے تھے یہی چار امیر صوبوں کے طرفدار اور سرلشکر مقرر کیئے جاتے تھے۔ امیر الاُمراء ایک ہزار و پانصد کا منصبدار ہوتا تھا۔ اسی طرح وکیل السّلطنت کو ہزار و دو صدی کا منصب عنایت ہوتا تھا باقی امیر اور منصبدار ہزار سے زاید اور سو سے کم کے نہ ہوتے تھے۔ جو امیر ایک ہزار یا اس سے زاید کا منصبدار مقرر کیا جاتا تھا اُسے طوغ و علم اور نقارہ بھی دربار شاہی سے مرحمت ہوتا تھا۔

آپ نے قدیم عہدہ داروں میں کچھ تغیر کر کے حسب ذیل خدمات قایم کی تھیں۔

نام عہدہ دار مع خطاب	نام عہدہ
ملک التّجار خلفِ حسن بصری۔	وکیل السّلطنت و منصب ہزار و دو صدی

---

[۱] فرشتہ۔

ہوشیار عین الملک	امیر الاُمراء و منصب ہزار پانصدی
بیدار نظام الملک	طرفدار و سرلشکر دولت آباد و منصب دوہزاری
عبد القادر سرسلحداران مخاطب بہ خان جہاں[1]	طرفدار و سرلشکر برار و منصب دو ہزاری
میر علی سیستانی	امیر سہ صدی
قاسم بیگ صف شکن	منصب پانصدی وجاگیردار کلہر
میر شمس الدین قمی	مصاحب
سیف اللہ حسن آبادی	〃
عبد اللطیف مخاطب بہ خان اعظم	طرفدار و سرلشکر تلنگانہ و منصب دوہزاری
عبد اللہ خاں کابلی	حاکم جنیر و منصب صدی
خواجہ حسن اردستانی امیر صدہ	استاد تیراندازی شاہزادگان
حسن خاں	امیر سہ صدی
ملا عبد الغنی	صدر
عالم خاں	امیر صدہ
لودھی خاں	〃
دلاور خاں	〃
سید حسن بدخشی	امیر سہ صدی
میر عابد علی کرد المخاطب بہ کافرکش	امیر یکہزاری

---

[1] ابتداء میں خدمت سرسلحداران پر یہ مامور تھے اسی خدمت کے دوران میں جبکہ سلطان کو بیجانگر کی فوج نے گھیر لیا تھا اس وقت انھوں نے سلطان کی جان بچائی تھی اسی کے صلہ میں سلطان نے ان کو برادر جان بخش یارحق گذار کا لقب اور خان جہاں کا خطاب اور منصب دو ہزاری دے کر طرفدار و سرلشکر تلنگانہ بنایا تھا۔ اس کا مفصل ذکر فتوحات کے تحت بیان کیا جائے گا۔

احمد شاہ
ہنی کے
ت سلطنت

عبدالقادر بن عیسیٰ بن محمود بن عماد الملک	سرسلحداران و منصب دو صدی
خواجہ عماد الدین سیستانی	〃 〃 〃
عزیز خاں	مصاحب
خواجہ بیگ المخاطب بہ قلندر خاں	دار وغہ گلبرگہ و منصب دو صدی
خسرو بیگ اوزبک امیر صدہ	استاد و اتالیق شاہزادگان
میر فرخ بدخشی	امیر سہ صدی
فرخ خاں	〃 〃
مولانا نجم الدین	مفتی
عبداللہ خاں نبیرہ اسمٰعیل مخ	امیر صدہ و افسر میسرہ
شیخ حبیب اللہ جنیدی	مصاحب
میر نور اللہ[1] بن شاہ خلیل اللہ بن شاہ نعمت اللہ کرمانیؒ	ملک المشائخ و داماد سلطان
شاہ قلی سلطان	شاہزادہ چنگیزی
شیخ آذری	ملک الشعراء
ملا شرف الدین مازندرانی	خوشنویس
مجنوں سلطان	شاہزادہ چنگیزی
شیر ملک[2]	کوتوال
قاضی احمد مقبول[3]	ملک العلماء و صدر جہاں

قراخان کرد۔ رستم خاں مازندرانی۔ بہادر خاں اوزبک۔ میر ابوالقاسم جرجانی۔ شاہ حبیب اللہ بن شاہ خلیل اللہ داماد سلطان و جاگیردار قصبہ بیڑ۔ شاہ محب اللہ بن شاہ حبیب اللہ داماد

---

[1] ۔ فرشتہ نے میر نور اللہ اور برہان ماثر نے مرزا نور اللہ لکھا ہے۔

[2 و 3] ۔ ان کا ذکر فرشتہ میں نہیں ہے۔ یہ دونوں ناموں اور عہدوں کا ذکر برہان ماثر نے کیا ہے۔ اور میں نے اسی سے لیا ہے۔

سلطان احمد ش ولی بہمنی ۔ انتظامات سلط

شاہزادہ علاء الدین اور حسین بن حسن برادر خلف حسن بصری اُمراء کے گروہ میں داخل تھے۔ برہان ماثر میں لکھا ہے کہ آپ نے محمد بن علی بادردی مخاطب بہ خواجہ جہاں کو جو سلطان سنجر سلجوقی کی اولاد سے تھا سرنوبت میسرہ مقرر فرمایا اور ملّو خان کا خطاب دیا پھر اس کے بعد جب سرنوبت میمنہ مقرر فرمایا تو سارنگ خاں کے خطاب سے مفتخر فرمایا۔ قاضی نظام الدین شرقی نبیرۂ سید شریف کو شرف جہاں کے خطاب سے مشرف فرمایا اور سید عبد المومن نبیرۂ مخدوم جہانیاں سید جلال بخاریؒ کو سید اجل جلال خان کے لقب سے ملقب فرمایا۔ آپ نے ۸۳۳ھ م ۱۴۲۹ء میں بیدار نظام الملک طرفدار و سرلشکر دولت آباد کی جگہ ملک التجار خلف حسن بصری کو دو ہزاری منصبدار بنا کر طرفدار و سرلشکر دولت آباد مقرر فرمایا۔ اور بندر دابول اور دیگر بندرگاہوں اور سواحل کا انتظام بھی انھیں کے سپرد کیا اور ان کی جگہ میاں محمود[1] نظام الملک کو جو عقل و علم و فضل میں لاثانی تھے اور مشہور بزرگ شیخ فریدؒ شکر بار کی اولاد سے تھے خلف حسن بصری کی جگہ وکیل السلطنت ملک نائب اور طرفدار و سرلشکر حسن آباد گلبرگہ و بیجاپور مقرر فرمایا۔ اُن کے علاوہ سلطنت کے آخری ایام میں آپ نے شہزادہ محمود خاں کو رام گرھ۔ ماھور۔ کلم اور برار کے بہت سے حصوں کا حاکم بنایا اور شہزادہ داؤد خاں کو حاکم تلنگانہ و راپچور[2] و چنول مقرر کیا اور شہزادہ علاء الدین کو (جنھیں ظفر خاں کا لقب تھا) ولی عہد اور شہزادہ محمد خاں کو شریک ولی عہد مقرر فرمایا۔

دربار عام

سلاطین بہمنیہ[3] کے ہاں دو قسم کے دربار ہوا کرتے تھے جن کو ان کی اصطلاح میں "بارگاہ کل" اور "بارگاہ خاص" کہتے تھے۔ بارگاہ کل دربار عام تھا اور اس میں ہر امیر و فقیر باریاب ہوسکتا تھا سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کے زمانے میں یہ دربار ہفتہ میں ایک وقت بروز چہارشنبہ صبح سے دوپہر تک بڑی عظمت و شان سے ہوا کرتا تھا لیکن سلطان محمد شاہ بن سلطان علاء الدین حسن گانگو کے زمانے میں سوائے جمعہ کے ہر روز دربار عام

لہ۔ یہ ذکر فرشتہ میں نہیں ہے، برہان ماثر نے اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔

لٹہ۔ برہان ماثر۔

سٹہ۔ فرشتہ۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

ہوتا تھا۔ دربار کے ایوان میں ہر روز ریشمی فرش و قالین ہائے زرین نہایت تکلف سے بچھائے جاتے تھے اور وسط میں مخمل اور زربفت کے شامیانے تانے جاتے تھے جن کے نیچے ابتداء میں علاء الدین حسن گانگو بہمنی کا نقرئی تخت بچھایا جاتا تھا بعد میں محمد شاہ تخت فیروزہ بچھانے لگا جس کا رواج تمام سلاطین کے زمانے میں برابر جاری رہا۔ دروازوں پر بیش قیمت پردے لٹکائے جاتے تھے۔ سلاطین ایک پہر دن گذرنے کے بعد دربار میں آتے تھے سلطان محمد شاہ جب تک دربار میں رہا علاء الدین حسن گانگو بہمنی کا نقرئی تخت بچھارہا پہلے باپ کے تخت کو تعظیماً سجدہ کرتا تھا یہ رسم دربار میں تخت فیروزہ بچھانے کے بعد سے موقوف کردی گئی تھی۔ غرض سلاطین بہمنیہ تخت پر نہایت ہی دبدبہ اور شوکت کے ساتھ بیٹھ کر دربار کیا کرتے تھے۔ اور مہمات سلطنت کو انجام دیتے تھے۔ نماز ظہر کی اذان سے قبل دربار برخاست کردیا کرتے تھے۔ ایوان کے تین دروازے تھے جن کے درمیان سو ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ تھا۔ اور اطراف میں جلوخانہ۔ ہر ایک دروازہ پر دربان سپاہیوں اور نقیبوں کا مجمع رہتا تھا جنھیں بہمنیوں کے اصطلاح میں بار بردار کہتے تھے۔ ارباب استغاثہ وغیر استغاثہ کو کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہوتی تھی بار بردار دربار کے جانے والوں سے ہتھیار لے لیتے تھے کیونکہ کوئی شخص دربار میں ہتھیار کے ساتھ داخل نہیں ہوسکتا تھا نقیب ریشمی قبائیں اور زرّین کلاہیں اور کمر میں بگلوس اور ہاتھ میں عصائے نقرئی لیے ہوئے اور دیگر شاگرد پیشہ و خدام بھی زرّین کلاہیں پہنے اور بگلوس لگائے ہوئے یہ دیکھتے رہتے تھے کہ کون آتا ہے اگر کسی غیر مسلم کو آتا دیکھتے تو بلند آواز سے کہتے ہداک اللہ اور مسلمان کو دیکھتے تو بسم اللہ کہتے مسلمان اور ہندو آواز سنتے ہی تین مرتبہ ادب سے تسلیم ادا کرکے آگے بڑھتے۔ دوسرے دروازے پر بھی یہی کیفیت رہتی امراء و وزراء دربار میں اپنے اپنے رتبہ کے لحاظ سے تخت کے دائیں اور بائیں دست بستہ کھڑے رہتے۔ دربار میں سوائے علماء و مشایخ کے کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کے زمانے میں صرف ملک سیف الدین غوری کو خاص عنایت و فضیلت و ضعف پیری کی وجہ سے دربار میں بیٹھنے کی اجازت ملی تھی لیکن ملک سیف الدین نے محمد شاہ اوّل بہمنی کی تمکنت پسند طبیعت کا خیال کرکے دوسرے امراء و ارکان خاندان شاہی کی طرح دربار میں کھڑے

لہ۔ فرشتہ۔

رہنے کی بادشاہ سے اجازت طلب کی جس کو بادشاہ نے خوشی سے منظور کرلیا اور ملک سیف الدین بھی کھڑے رہنے لگا۔ درباری اُمراء کا لباس قبا سفید دستار اور بگلوس۔ اور مشائخ وعلماء کا جبہ کرتا صدری اور عمامہ ہوا کرتا تھا دربار میں درباری مختلف رنگوں کے لباس میں آسکتے تھے لیکن اُن کی دستار سفید اور ایک ہی وضع کی ہوئی ضروری تھی۔ اُمراء ووزراء کا ایک ہی لباس ہوا کرتا تھا۔ دربار عام میں ارباب استغاثہ وغیر استغاثہ کثرت سے جمع رہتے تھے۔ بادشاہ ہر ایک کی فریاد سُنتا اور انصاف کرتا تھا اور جو لوگ بچ جاتے اُن کی درخواستیں رکھ لیتا تھا اور دوسرے روز یا تیسرے دن اُن کو کافی جواب دیتا تھا۔ دربار میں سُرخ لباس مظلوم کی علامت تھی۔ اس لیے بادشاہ سب سے پہلے اُن کی دادرسی کرتا تھا۔ غرض سلاطین بہمنیہ کے دربار عام میں حاکم ومحکوم دونوں اپنی اپنی حاجتوں کے لیے جاتے تھے اور عوام اس کی وجہ سے بے فکر اور مطمئن رہتے تھے کیونکہ اُن پر کوئی بادشاہ کی دادرسی کے خوف سے سختی وظلم نہیں کرسکتا تھا۔ اور ہر وقت عہدہ داروں کو بھی بادشاہ کا خوف لگا رہتا تھا۔ رعایا بادشاہ کے انصاف کی وجہ سے شکر گزار اور مطیع رہتی تھی۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

دربار خاص

سلاطین بہمنیہ کے[1] یہاں بھی بارگاہ خاص مغلوں کی طرح دربار خاص ہوتا تھا اور اس دربار کے لیے بھی ایک خاص عمارت ہوا کرتی تھی۔ یہ دربار عام کے محل سے زیادہ آراستہ ہوتا تھا اس میں وزراء و اُمراء، افسران فوج و معززین ریاست، بزرگان دین و ملت، مصاحبین، علماء وشُعراء شریک ہوا کرتے تھے۔ ضرورت کے لحاظ سے اس کا انعقاد عمل میں آتا تھا۔ تمام مہمات سلطنت، طرفداروں اور سرلشکروں اور عہدہ داروں کا تقرر وتبدل اور جنگوں کے لیے فوجوں کی روانگی کا تصفیہ اسی میں ہوتا تھا۔

دربار و نذر عیدین و جشن نوروز۔

سلاطین بہمنیہ[2] دیگر مسلمان بادشاہوں کی طرح اُمراء و سپاہ کے تالیف قلب کے لیے دربار عیدین و نوروز منعقد کرتے۔ نذریں لیتے اور جشن نوروز منایا کرتے تھے۔ دستور کے مطابق دربار ریشمی فرش، رنگین قالینوں

---

[1] فرشتہ [2] فرشتہ

سلطان احمد شاہ مخمل و زربفت کی مسندوں اور تکیوں سے سجایا جاتا تھا دیواروں پر نقش و نگار کیے جاتے۔ اور دربار کے دروازوں پر مخمل و اطلس کے پردے لٹکائے جاتے تھے۔ دربار کے تینوں دروازوں پر چوبداروں انتظامات سلطنت اور نقیبوں کا مجمع ترتیب سے صف بستہ رہتا تھا سوار و پیدل عمدہ وردیوں میں دو طرفہ کھڑے رہتے تھے۔ دروازے سے گذر کر درباری دربار میں باریاب ہوتے تھے اور نذریں پیش کرکے اپنی اپنی جگہ تخت کے دائیں بائیں ادب سے کھڑے رہتے تھے۔ نذریں پیش کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ رقم نذرانہ جو پانچ یا گیارہ دینار یا زیادہ ہوتی تھی ایک مخملی تھیلی میں بند اور مہر کی ہوئی پیش کی جاتی تھی۔ نذر دینے والے کا نام اور تعداد رقم بھی اسی تھیلی پر لکھی ہوتی تھی۔ بادشاہ کے حضور میں باربک نذر دینے والے کو پیش کرتا تھا اگر بادشاہ اس پر ہاتھ رکھ دیتا تو قبولیت کی علامت سمجھی جاتی تھی اور منشی اس نذرانہ کو لیکر طلائی یا نقرئی تشت میں جو تخت کے پہلو میں رکھا جاتا ڈال دیتا تھا۔ اور رجسٹر میں نذر دینے والے کا نام درج کر لیتا تھا جملہ رقم نذرانہ شاہی خزانہ میں داخل کی جاتی تھی۔ نذروں سے فارغ ہونے کے بعد سب درباری دعوت میں شریک ہوتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد لوگ محفل راگ رنگ سے محظوظ ہوکر رخصت ہوتے تھے۔ رخصت کے وقت انھیں شاہی خدام عطر اور پان سپاری اور الایچی ایک زرین کپڑے میں باندھ کر دیتے اور گلاب چھڑکا کرتے تھے۔ سالانہ عیدین اور جشن نوروز میں تمام سلاطین بہمنیہ اُمراء و وزراء و ملازمین سلطنت کو مناسب خطابات مشائخ و علماء کو انعام و اکرام اور مساکین کو مال و زر سے سرفراز و سربلند کیا کرتے تھے۔

عدالت سلاطین بہمنیہ[1] کے عہد میں شاہان متقدمین کی طرح عدالتی کارروائی اسلامی شرعی قانون پر ہوتی تھی۔ قضاۃ و علماء کو عدالت کا پورا اختیار حاصل تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ شرع کے خلاف فیصلہ کرے یا شرعی احکام کے اجرا میں تاخیر کرے۔ عدالت دیوانی اور عدالت فوجداری ملک کی دو نوں بڑی عدالتیں سمجھی جاتی تھیں باقی عدالتیں انھیں کے ماتحت ہوتی تھیں۔ قضاۃ علماء اور فقہاء مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ صدر عدالت

---

[1] ۔ فرشتہ۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی انتظامات

دار السلطنت میں ہوتی تھی۔ اس عدالت کا صدر صدر جہاں ہوتا تھا۔ اُس کا تقرر راست بادشاہ کے طرف سے عمل میں آتا تھا۔ اسی کے تحت مفتی، فقیہ، محتسب، ایک فوجدار اور ایک داروغہ ہوتا تھا۔ اضلاع، دیہات اور تعلقوں کے فیصلے قضاۃ و محتسب کے ملاحظہ سے گذر کر صدر عدالت میں آتے تو مفتی و فقیہ کارروائی اور فیصلے کی نہایت اچھی طرح جانچ کرلیا کرتے تھے۔ اس کے بعد یہ فیصلے صدر جہاں کے پاس پیش کیے جاتے تھے اور صدر جہاں باتفاق فقہا و مفتیان عدالت تحت کے فیصلوں کی تنقیح اور جانچ کرلیتا تھا اگر تحت کے فیصلوں میں کوئی غلطی ہوتی تو اس کو ظاہر کر کے ملزم کو رہا کر دیتا تھا اگر غلطی نہ ہوتی تو اُسی فیصلہ کو بحال رکھتا تھا اگر حکام و عمّال کی طرف سے ظلم و زیادتی ہوتی تو بالمشافہ بادشاہ کے حضور میں عرض کر دیتا تھا۔ بادشاہ مقدمہ کی مسل منگوا کر خود تحقیق کرتا اور اگر غلطی ہوتی تو اُس کو رفع کرتا اور حکام کو تاکید کرتا کہ مکرر غور کریں تاکہ حقدار حق سے محروم نہ ہو جائیں۔ فیروز شاہ بہمنی نے اپنے زمانے میں اُس عدالت کے علاوہ ایک اور محکمہ دفتر شاہی کے نام سے قایم کیا تھا جو وکیل السلطنت کے تحت ہوتا تھا تمام عدالتوں کے اہم فیصلے اس دفتر شاہی میں بھیجے جاتے تھے۔ وکیل السلطنت اُن کی جانچ پڑتال کر کے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرتا تھا اور بادشاہ کی دستخط کے بعد تعمیل کے احکام نافذ کیے جاتے تھے۔ ہر صوبہ اور ضلع میں محکمۂ قضاۃ، محکمۂ محتسب اور محکمۂ فوجداری ہوتے تھے جو مقدمات اور معاملات کا فیصلہ کرتے تھے۔ تعلقات اور دیہات میں قضاۃ، محتسبین اور فوجداروں کے نائب مقرر کیے جاتے تھے۔ دیہات میں امناء، تھانہ دار اور چوکیدار مقدموں کے واقعات کی جانچ پڑتال کیا کرتے اور جہاں زدوکوب و رہزنی و خونریزی ہوتی وہاں جا کر ملزمین کو ماخوذ کر کے مقدمہ کا چالان محکمۂ فوجداری میں کرتے تھے۔ فوجداری طرفین کے گواہوں کا اظہار لیکر اپنی رائے کے ساتھ مقدمہ محکمۂ قضاۃ میں بھیجدیتی تھی جہاں قاضی اظہارات کی تصدیق کر کے فیصلہ شرعی احکام کے مطابق لکھتا تھا جس کی تعمیل داروغہ کے ذریعہ سے کی جاتی تھی کسی حالت میں بھی قاضی کے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں ہوتی تھی فیصلہ کے بعد مدعی علیہ کو مرافعہ کے لیے ایک مہینہ کی مہلت دی جاتی تھی۔[1]

---

[1] محبوب الوطن مولفہ مولوی عبد الجبار۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

کبھی کبھی سلاطین بہمنیہ[1] دار السلطنت کی صدر عدالت میں جاکر مقدمات مرجوعہ کی روئداد اور گواہوں کے بیانات کو سنتے اور صدر جہاں کے فیصلوں کو دیکھ کر اظہار خوشنودی فرمایا کرتے تھے چنانچہ برہان ماثر اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ محمد شاہ ثانی بہمنی ایک روز عدالت میں گیا اس روز ایک عورت زنا کے جرم میں گرفتار ہوکر سزا کے لیے دارالقضاء میں لائی گئی تھی قاضی نے اس سے پوچھا کہ تجھ کو اس فعل حرام کی جرات کیونکر ہوئی۔ عورت نے جواب دیا کہ میں نے سنا تھا کہ ایک مرد چار عورتوں سے ایک ہی وقت میں تعلق پیدا کر سکتا ہے اس پر میں نے قیاس کیا کہ ایک عورت کو بھی چار مردوں سے واسطہ رکھنے کی اجازت ہوگی اب معلوم ہوا کہ میرا خیال صحیح نہیں ہے اور میں اقرار کرتی ہوں کہ آیندہ سے اس فعل حرام سے پرہیز کروں گی اور اس کے گرد نہ پھٹکوں گی۔ اس کو سنکر قاضی متردد ہوا کہ اس کو کیا سزا دی جائے۔ سلطان محمد شاہ نے قاضی سے کہا کہ عورت کو رہا کر دیجئے کیونکہ شرع میں شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اس پر قاضی نے مجرمہ کو رہا کر دیا اور عورت نے شرعی حد سے نجات پائی۔ محبوب الوطن نے لکھا ہے محمود شاہی کے مولف نے اس نقل کو سلطان احمد شاہ کی طرف منسوب کیا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ برہان ماثر اور فرشتہ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے صرف اس قدر لکھا ہے کہ آپ کے زمانے میں قدیم عدالتی انتظام قایم رہا۔ آپ منصف مزاج اور شرع اسلامی کے نہایت سخت پابند تھے۔ شرعی انصاف میں کسی کی طرفداری نہیں کرتے تھے خواہ وہ آپ کا عزیز ہو یا غیر عزیز۔ چنانچہ مولف محبوب الوطن نے مفرح القلوب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آپ نے اپنے حقیقی بھانجے شیر خاں کو ۸۳۶ھ م ۱۴۳۲ء میں کسی خون کے معاملہ میں قصاصاً قتل کرا دیا تھا۔ اس واقعہ سے آپ کی انصاف پسندی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

تعلیم

آپ نہ صرف ایک زبردست سپہ سالار اور دور اندیش و مدبر بادشاہ ہی تھے بلکہ علمی ذوق کے لحاظ سے بھی آپ کا درجہ بہت بڑا ہے آپ خود ایک عالم متبحر تھے اور آپ کے نزدیک بنی نوع انسان کی سب سے بڑی خدمت یہی ہو سکتی تھی کہ علم کی روشنی کو

---

[1] فرشتہ و برہان ماثر۔

سلطان احمد ولی بہمنی

عام کرکے ہر شخص کو اس سے بہرہ ور ہونے کا سامان مہیا کرنا۔ چنانچہ آپ نے اپنے زمانے میں تمام قدیم تعلیمی اداروں کو جاری ہی نہیں رکھا بلکہ ان میں ہر طرح کا اضافہ کیا جو حسب ذیل ہے۔

انتظامات سلطان

سلطان[1] علاء الدین حسن گانگو بہمنی کو علم و ادب سے گہری دلچسپی تھی، علمائے عصر و فضلائے دہر کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا اس نے دکن میں عربی اور فارسی کی تعلیم کو رواج دیا اُس نے ہر چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں مساجد بنوائیں ہر ایک مسجد کے لیے امام، موذن اور مدرس مقرر کیا مدرس کا یہ فرض تھا کہ وہ اس قصبہ کے بچوں کو تعلیم دے۔ بڑے مقامات میں وہاں کی آبادی کے لحاظ سے زیادہ مدرسین مقرر کیا کرتا تھا۔

سلطان[2] خود ہمیشہ علماء کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ مولانا لطف اللہ سبزواری۔ مُلّا معین ہروی۔ مفتی احمد ہروی۔ مُلّا اسحق شیرازی۔ مُلّا فضل اللہ انجو۔ مُلّا حکیم علیم الدین تبریزی حکیم نصیر الدین شیرازی۔ مولانا صدر شریف سمرقندی۔ ملک رکن غوری۔ ملک سیف الدین غوری۔ سید رضی الدین جگا جوت وغیرہ جیسے علماء و حکمائے بہمنیہ اس کے ساتھ رہتے تھے۔

شہزادوں کی تعلیم و تربیت کے لیے خاص اساتذہ مقرر تھے محمود خاں۔ داؤد خاں۔ اور احمد خاں اِن سب شہزادوں کی تعلیم مولانا فضل اللہ انجو کے تفویض تھی۔ اور مولانا کے زیر نگرانی اساتذہ آکر پڑھایا کرتے تھے۔

اعلیٰ[3] تعلیم کے لیے یہ انتظام تھا کہ ایلچپور (برار) میں ایک دار العلوم کھولا گیا تھا جس کا ایک وسیع دار الاقامہ بھی تھا اُس کے اخراجات کے لیے سالانہ تین ہزار دینار آمدنی کی جاگیر وقف تھی۔ اس کے علاوہ دولت آباد۔ گلبرگہ وغیرہ میں بہت سے مدارس قایم تھے۔ طلباء کو وظائف ہی نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ اُن کے خورو نوش اور کپڑوں کا ذمہ دار بھی مدرسہ ہوا کرتا تھا۔ مدرسین کی تنخواہیں معقول تھیں۔

---

[1] ۔ محبوب الوطن۔

[2] ۔ فرشتہ۔

[3] ۔ محبوب الوطن۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

سلطان محمد شاہ بن حسن گنگو بہمنی بھی عالم متبحر تھا اُس نے ملک میں تعلیم پھیلانے میں اپنے باپ سے زیادہ کوشش کی اور اپنے ولی عہد مجاہد شاہ کو بڑے بڑے جیّد عالموں سے تعلیم دلائی۔ شہزادہ ترکی۔ عربی۔ فارسی کا ماہر تھا۔

سلطان محمد شاہ ثانی بہمنی بھی بڑا عالم تھا اس نے ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں یتیموں کی تعلیم کے لیے مدرسے قایم کیے۔ گلبرگہ۔ بیدر۔ قندھار۔ ایلچپور۔ دولت آباد جنیر۔ چھول اور وائل وغیرہ شہروں اور بڑے بڑے قصبوں میں معلمین مقرر کیئے، ان کی تنخواہیں شاہی خزانہ سے ادا کی جاتی تھیں۔ وہ محدثین کی بڑی عزت کرتا اور ان کے لیئے گراں قدر وظیفے مقرر کیا کرتا تھا۔ اس نے فیروز شاہ اور احمد شاہ کو شیراز کے مشہور سید اور متبحر عالم میر فضل اللہ (جو علامہ سعدالدین تفتازانی کے شاگرد رشید تھے) سے نہایت عمدہ تعلیم دلائی تھی۔

فیروز شاہ بہمنی خود بہت لایق اور ہر علم سے عموماً اور تفسیر و اصول و حکمت سے طبعی اور نظری سے خاص طور پر دلچسپی رکھتا تھا اس کو صوفیا کی اصطلاحات سے بھی پوری واقفیت تھی۔ اس نے ملک میں جا بجا مدرسے قایم کیئے اور جدید مساجد تعمیر کرا کر ان میں تعلیم کا انتظام کیا اور خود ہفتہ میں تین دن یعنی شنبہ۔ دوشنبہ اور چہار شنبہ درس دیا کرتا تھا۔ زاہدی اور شرح تذکرہ فن ریاضی میں اور شرح مقاصد کلام میں اور اقلیدس علم ہندسہ میں اور مطول علم معانی و بیان میں بادشاہ کے درس کی خاص کتابیں تھیں اگر کبھی اتفاق سے بادشاہ کو فرصت دن میں نہ ملتی تھی تو رات کو طالب علموں کو اپنے پاس بلاتا اور ان کو حسب معمول سبق پڑھا کر اپنے معلومات سے مستفید کرتا تھا۔

آپ کی تعلیم بھی فیروز شاہ کے ساتھ مولانا میر فضل اللہ سے ہوئی تھی۔ اس لیے آپ کو بھی ہر علم سے خاصی دلچسپی تھی۔ آپ نے ملک میں تعلیم کے جو قدیم ادارے تھے نہ صرف انھیں حسب دستور قایم رکھا بلکہ فتوحات کے ذریعہ نئے شہر حاصل کر کے ان میں مساجد تعمیر کروا کر مدرسے قایم کیے تھے۔ پایہ تخت بیدر میں آپ نے مختلف ممالک سے متبحر عالموں کو بلا کر جمع کیا تھا جن کے

---

(۱) ۳۶۲ھ۔ فرشتہ۔

چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے لیے دور دراز ممالک سے طالب علم آیا کرتے تھے۔ آپ ہی کے عہد مبارک میں سلطان السادات سید حنیفؒ۔ میر نور اللہؒ نبیرہ شاہ نعمت اللہ کرمانیؒ۔ شاہ خلیل اللہؒ اور قاضی احمد مقبولؒ ولی بہمنی جیسے مشہور صوفیا بھی اپنی روحانی تعلیمات سے لوگوں کو بہرہ ور کر رہے تھے۔ ان حضرات کی روحانی تعلیم کی انتظامات شہرت دور دراز ممالک تک پہنچی ہوئی تھی۔ انھی بزرگواروں کی شہرت آپ کے صاحبزادے کے زمانے میں خواجہ عماد الدین محمود گاوان جیسے متبحر عالم کو قدیم وطن (گاوان) ضلع گیلان سے بیدر کھینچ لائی تھی۔ خود آپ کے علم و ادب کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ شیخ آذری میر نور اللہ نبیرۂ شاہ نعمت اللہ کرمانی شاہ خلیل اللہ معہ فرزندان شاہ حبیب اللہ اور شاہ محب اللہ۔ قاضی احمد مقبول۔ قاضی نظام الدین شرقی ملا عبد الغنی مولانا نجم الدین شیخ حبیب اللہ جنیدیؒ میر شمس الدین قمی۔ خواجہ عماد الدین سمنانی۔ سیف اللہ حسن آبادی۔ سید عبد المومن نبیرۂ مخدوم جہانیاںؒ سید جلال بخاری۔ میاں محمود نظام الملک۔ خواجہ حسن اردستانی خسرو بیگ اوزبک اور سید السادات سید حنیف وغیرہ جیسے علما، و حکمائے بہمنیہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔[1]

آپ نے[2] شہزادوں کی تعلیم خسرو بیگ اوزبک اور خواجہ حسن اردستانی کے سپرد کی تھی۔ خسرو بیگ اوزبک شہزادوں کو پڑھایا کرتے تھے اور خواجہ حسن اردستانی تیر اندازی اور دیگر سپاہیانہ فنون کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ کے زمانے میں تعلیم کے مختلف شعبوں میں جو ترقی نظر آتی ہے وہ دیگر سلاطین کے زمانے میں نہیں پائی جاتی۔

جسمانی تعلیم

سلاطین بہمنیہ اپنی رعایا کو صرف دماغی تعلیم دلا کر جسمانی حیثیت سے کمزور بنانا نہیں چاہتے تھے اس لیے انھوں نے دماغی تعلیم کے ساتھ ساتھ جسمانی کا بھی کافی انتظام و اہتمام کیا تھا جس کی وجہ سے بہمنی رعایا نہایت طاقتور، بہادر، عالی ہمت اور جفاکش سپاہی بن گئی تھی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سلاطینِ بہمنیہ نے بمقتضائے عہد تیر اندازی۔ نیزہ بازی۔ شمشیر زنی اور دیگر

---

[1] فرشتہ و برہان ماثر۔

[2] فرشتہ۔

ن احمد شاہ بہمنی کے امات سلطنت

سپاہیانہ فنون۔ سواری اور بنوٹ کی تعلیم کا بڑا اہتمام کیا تھا۔ ان سلاطین کے زمانے میں یہ تعلیم علمی اور عملی دونوں طریقوں سے ہوتی تھی۔ اور اس کی روزانہ مشق کرائی جاتی تھی۔ اس تعلیم کے مقابلے میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم بہت کم دی جاتی تھی۔ صرف قضاۃ، مشائخ اور آئمۂ دین کی اولاد کے لیے یہ تعلیم لازمی نہیں تھی ان کے سوا سب کے لیے لازمی اور عام تھی۔ اسی وجہ سے دکن کا کوئی شہر تعلیم خانوں سے خالی نہیں تھا۔ بچے، جوان، بوڑھے سب ہی چار بجے سے شام تک ان تعلیم خانوں میں جمع ہو کر فنون سپاہگری کے قواعد سیکھتے اور مشق کیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تعلیم کا دکن میں عام رواج ہو گیا اور ہر ایک آدمی اس کا شایق بن گیا۔ اور اس تعلیم کو اپنی صحت وحفظ نفس کے لیے بہتر خیال کر کے خود ہی اس کا انتظام کرتا تھا۔ اس تعلیم کی بدولت تمام رعایا سپاہ بنگئی جو ضرورت کے وقت کام دے سکتی تھی۔ ہر ایک تعلیم یافتہ سبقت کے میدان میں خوب جولانی دکھاتا اور میدانِ کارزار میں پیش قدمی سے باز نہیں رہتا تھا۔

فرشتہ کا بیان ہے کہ جب آپ کرناٹک کے حملوں کے دوران میں ایک روز شکار کے لیے جنگل میں نکل گئے اور شکار کے تعاقب میں سوار اور پیادوں سے جدا ہو گئے اُس وقت صرف چند مصاحبین اور گنتی کے سوار اور پیدل آپ کے ہمراہ تھے۔ مخالفین نے جو دروں میں چھپے ہوئے تھے موقع دیکھ کر حملہ کیا اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ سخت مشکل کا وقت تھا۔ بظاہر سلامتی نظر نہیں آتی تھی ایسی نازک حالت میں عبدالقادر سرسلحداران فی الفور تین ہزار خاصہ خیل شاہی لیکر پہنچ گیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا اور طرفین سے تیروں کی بارش ہوئی۔ آخر عبدالقادر نے دشمن کی فوج کو شکست دے کر بھگا دیا اور آپ کو بچا لیا۔ آپ اُس کی اس جانبازی سے بہت خوش ہوئے اور خلعت ومنصب مناسب سے سرفراز فرمایا اور حکم دے دیا کہ ماہر تیرانداز شہزادوں کی تعلیم کے لیے مقرر کیے جائیں۔ اسی بناء پر خواجہ حسن ارد ستانی شہزادوں کو تیراندازی وفن سپاہگری سکھانے کے لیے مقرر کیے گئے۔ آپ نے معززین اور اُمراء کو تاکید کی کہ وہ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو تیراندازی اور فنونِ سپاہگری کی تعلیم دلائیں اور جاگیرداروں کو حکم ہوا کہ اپنے اپنے

علاقوں میں اس تعلیم کا اہتمام کریں۔ اس وجہ سے ملک کے مختلف حصوں میں تعلیم خانے قایم کیئے گئے۔ سلطان احمد ولی بہمنی
تیر اندازی و شمشیر بازی کا عام رواج ہوا اس فن میں آپ کی فوج دیگر فوجوں سے بازی لے گئی
اُس وقت دکنی سپاہی دیگر اسلحہ حرب کے علاوہ تیر و کمان بھی رکھنے لگے۔ انتظامات[1]

محمد شاہ ثانی بہمنی نے آپ کو بچپن میں تیر اندازی چوگان بازی اور سواری کی باقاعدہ تعلیم دلائی تھی جس کی وجہ سے آپ ان فنون میں ماہر تھے! اور اسی کی بدولت بھائی کے زمانے میں کئی مہموں کو نہایت عمدگی سے سر کیا تھا۔ غرض آپ کو ان فنون سے ایک خاص لگاؤ اور دلچسپی پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے آپ نے اپنے عہد میں اس فن کو جتنی ترقی دی کسی نے نہیں دی۔ علاوہ دیگر تعلیم خانوں کے خود دار السلطنت بیدر میں بھی چار تعلیم خانے قایم کیئے گئے تھے جن کا وجود[2] ابھی تک پایا جاتا ہے۔ آپ نے اس تعلیم کو علوم و فنون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ فروغ دیا تھا اس کے علاوہ خلف حسن بصری کو حکم دے کر عراق خراسان ماوراالنہر روم اور عرب سے تین ہزار تیر انداز طلب کر کے ملازم رکھوایا جو ہر وقت سرکاری ملازمین کے زمرے میں تیار رہتے تھے۔

بہمنی کتب خانہ

ملا محمد قندھاری اور تحفۃ السلاطین کے مولف نے لکھا ہے کہ سلاطین بہمنیہ علم و فضل کے زیور سے آراستہ تھے اور علوم و فنون کے شایق تھے۔ منجملہ سامان شاہی کے ان کے ہاں ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں نادر کتب تھیں۔ ابتدا میں اُن کی تعداد بہت کم تھی لیکن فیروز شاہ بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد اُس کتب خانہ کو بہت ترقی دی

---

[1] - فرشتہ۔

[2] - بیدر چار تعلیموں میں تقسیم ہے (۱) تعلیم پنسال (۲) تعلیم منیار (۳) تعلیم صدیق شاہ (۴) تعلیم تورخاں کے ناموں سے مشہور ہیں۔ ہر ایک میں ورزش کا سامان رکھا ہوا ہے۔ ہر ایک تعلیم میں استاد ہوا کرتا تھا جو لڑکوں کو تعلیم فنونِ سپاہگری دیا کرتا تھا اور یہ تعلیم خانے استادوں کے نام سے ہی موسوم ہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہ تعلیم خانے بہمنی ہی کے زمانے کے قایم شدہ ہیں یا بعد کے بیدری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم زمانے کے قایم کئے ہوئے ہیں خواہ یہ کسی زمانے کے ہوں ان سے جسمانی تعلیم کے شوق کا پتہ چلتا ہے۔

ان احمد شاہ اور عرب و عجم سے نئی اور نایاب کتابیں منگوا کر رکھوایا تھا اس کے کتب خانہ میں ہر علم و فن کی کتابیں
بہمنی کے موجود تھیں بہمنیوں کے آخری زمانے میں اس کتب خانے کی کتابوں کی تعداد کئی ہزار ہو گئی تھی۔
لامات سلطنت محبوب الوطن کے مولف کا بیان ہے کہ کتب خانہ بہمنیہ کی کتابیں اب بھی کہیں کہیں ملتی ہیں۔
چنانچہ اس کتب خانہ میں ایک قرآن شریف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے دست مبارک کا لکھا ہوا تھا جو آج کل حیدرآباد میں نواب شمس الامراء بہادر کے خاندان میں ہے اور اس پر بہمنی کتب خانہ کی چھٹی لگی ہوئی ہے۔ یہ قرآن شریف اپنی خوبیوں کے لحاظ سے قابل دید اور نایاب ہے۔

زراعت و محاصل سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی بادشاہ ہونے کے بعد امیران صدہ عہدہ داروں اور دکھنی ہندو راجاؤں کے تالیف قلوب میں مشغول رہا تھا اس لیے زراعت و محاصل کی اصلاح کا کام آیندہ کے لیے ملتوی رہا۔ اور قدیم ہندو راجاؤں کے زمانے کے ہی محاصل اس کے ابتدائی عہد میں جاری تھے۔ اس نے ان محاصل میں کمی و بیشی نہیں کی البتہ وہ سلاطین تغلق کی طرح زمین کا سی درسی گز مربع حصہ زمینداروں کو دیا کرتا تھا اور بعض کو پورا ضلع کثیر رقم کے عوض اجارہ بالمقطع کے تحت دیا کرتا تھا اس کی رو سے مقطعہ دار زمین اور زمیندار پر مالکانہ قبضہ رکھتا اور محاصل میں کمی و زیادتی بھی کیا کرتا تھا اسی طریقہ کی وجہ سے رعایا پر بعض اوقات مظالم ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ نے سلطنت کو استحکام نصیب ہونے اور گرد و نواح کے راجاؤں اور عہدہ داروں کے مطیع و فرمانبردار ہونے کے بعد زراعت و خراج کے طرف اپنی توجہ مبذول کی اور عمل بالمقطعہ کے طریقے میں خرابیاں ہونے کی وجہ سے اس کو یک لخت موقوف کر دیا اور ہر ضلع کی زمین کو سی درسی گز مربع قطعات میں تقسیم کر کے کاشتکاروں اور زمینداروں کو پنجسالہ یا زاید مدت کے قول پر دے کر مالگزاری وصول کرنے لگا اور دوسرے خدمات مثلاً مقدمی۔ نایک واڑی۔ پٹواری گری۔ دیوانی و دفتری وغیرہ بھی قایم کیے۔ مالگزاری زمین کی پیداوار اور قابلیت کے لحاظ سے مختلف طور پر وصول کی جاتی تھی۔ مالگزاری مقرر کرنے اور وصول کرنے میں زیادہ تر اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ رعایا پر ظلم نہ ہونے پائے اس کی وجہ سے

رعایا خوش حال اور زمین آباد اور سر سبز و شاداب ہوگئی۔ اور جو زمینات ناقابل کاشت سلطان احمد شاہ اور بنجر پڑی تھیں اُن پر کاشت ہونے لگی۔ قدیم ہندوؤں کے زمانے میں زمین کا محاصل ولی بہمنی کے زمین کی حالت کے لحاظ سے چار طریقوں پر لیا جاتا تھا جن کے نام ۱۔ کنکوٹ ۲۔ بٹائی۔ انتظامات سلطنت ۳۔ کھیت بٹائی اور ۴۔ لانگ بٹائی تھے۔ سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی اپنے عہد میں طریقہ لانگ بٹائی کی رو سے نقد رقم مالگزاری وصول کیا کرتا تھا۔ لانگ بٹائی میں حکومت اور زمیندار غلہ کاٹ کر صاف کرنے کے بعد حسب قرار داد تقسیم کر لیا کرتے تھے یا حکومت بجائے جنس کے بازاری نرخ کے بموجب نقد رقم وصول کر لیا کرتی تھی۔ سلطنت بہمنیہ میں مالگزاری کے علاوہ اور محاصل بھی وصول کیے جاتے تھے جن کے نام ۱۔ مال واجب۔ ۲۔ مال وجہ۔ ۳۔ مال جرمانہ۔ ۴۔ مال پیشکش۔ ۵۔ مال تحفہ۔ ۶۔ مال سہ بندی۔ ۷۔ مال نذرانہ۔ ۸۔ حقوق خدمت تھے۔

سلاطین بہمنیہ ہندوؤں سے جزیہ نہیں لیا کرتے تھے اور اُن کا سلوک مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ بالکل یکساں تھا اور اُن دونوں فریقوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے ہندو اور مسلمان یکجہتی سے زندگی بسر کرتے تھے۔

سلاطین بہمنیہ کے ہاں محکمۂ کروڑگیری قایم تھا اور وہ محاصل کروڑگیری وصول کیا کرتے تھے جس کی تفصیل محبوب الوطن کے مولف نے یہ دی ہے کہ گھوڑوں پر فی راس ایک دینار کے حساب سے محصول لیا جاتا تھا۔ گائے بیل اور بھینس پر فی راس ایک فنم۔ بکرے پر فی راس پانچ جیتل۔ اونٹ پر فی راس نصف جیتل۔ ہاتھی پر فی راس پانچ دینار۔ ان محاصل میں جانوروں کی قیمت کے لحاظ سے کمی و زیادتی بھی ہوا کرتی تھی۔

ہر قسم کے ریشمی و سوتی کپڑے پر قیمت کے لحاظ سے سیکڑہ تین روپے آٹھ آنے محصول لیا جاتا تھا۔ چینی۔ مسی اور پچرسی برتنوں پر بھی تین روپے آٹھ آنے سیکڑہ کے لحاظ سے محصول وصول کیا جاتا تھا۔ چاندی جانور سونے کے برتنوں پر بھی قیمت کے لحاظ سے فی صدی پانچ روپیے اور چاندی سونا اور جواہرات پر بہ مناسبت روپے آٹھ آنے فی صدی کے حساب سے محصول لیا جاتا تھا۔

تمام جنگلاتی اور حیواناتی پیداوار اور استعمالی اشیاء مثلاً گھانس اور لکڑی، میوے۔ بقولات اور غلہ پر کوئی محصول نہیں تھا لیکن نمک پر سیکڑہ پانچ کے حسا

لطان احمد شاہ محصول لیا جاتا تھا سیندبن بالمقطعہ اجارہ پر دیا جاتا تھا اور کلا لوسے فی بڑا گھڑا دس جیتل متوسط گھڑا
لی بہمنی کے پانچ جیتل اور چھوٹا گھڑا دو جیتل کے حساب سے محصول لیا جاتا تھا۔ آپ کے زمانے میں نیز آپ کے
نتظامات سلطنت بعد کے زمانے میں بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ کسی تاریخ سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کسی بادشاہ نے اس میں
اصلاح کی ہو یا محاصل میں کمی یا زیادتی کی ہو۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سلاطین بہمنیہ کی
فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا اور وہ ہمیشہ کشور کشائی کی دھن میں لگے رہتے تھے۔ فتوحات
اور باجگذار ریاستوں سے جو خراج ملا کرتا تھا اس سے حکومت کو اتنی کافی آمدنی ہو جایا کرتی تھی کہ
مہموں کے اخراجات، عہدہ داروں اور سپاہیوں کی تنخواہیں ادا ہونے کے بعد ہمیشہ شاہی خزانہ
بھرا رہتا تھا اس لیے محاصل و مالگزاری میں اضافہ کر کے سلاطین بہمنیہ اپنی رعایا کو پریشان
کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور نہ ہی انھیں اس کی طرف توجہ کرنے کی مہلت ملی۔ سلاطین بہمنیہ کو محاصل
اور مالگزاری سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی تھی جتنی کہ خراج اور مال غنیمت سے ہوا کرتی تھی اور یہی
دو اُن کی آمدنی کے بہت بڑے ذرایع تھے۔

صنعت و حرفت بعہد سلاطین بہمنیہ دکن اپنی صنعت و حرفت میں عروج کمال پر پہنچا ہوا تھا۔
اور سلاطین کی سرپرستی کی وجہ سے مقامی صنعتوں نے جو ترقی کی اس کی مثال
تاریخ میں ملنی دشوار ہے۔ سلاطین کی قدردانی و سرپرستی کی شہرت سُنکر دور دراز علاقوں کے صنّاع
دارالسلطنت بہمنیہ میں جمع ہو گئے تھے۔ اور سلاطین بہمنیہ ان کی ترقی کے ذرایع مہیا کرنے کی
اور انھیں فروغ دینے کی کوشش کیا کرتے تھے اس کی وجہ سے دکن میں ریشمی اور سوتی پارچہ بافی۔
پیچرسی برتن سازی اور فولادی ہتھیار سازی کے صدہا کارخانے قایم ہو گئے تھے۔ پٹن۔ دولت آباد۔
گلبرگہ اور کھرکی میں ریشمی کپڑوں کے کئی کارخانے قایم تھے جہاں ایسا نفیس اور خوش رنگ کپڑا تیار
ہوتا تھا کہ دور دراز ممالک کے تاجر آ آ کر سستے داموں خرید کر اپنے ممالک میں گراں داموں فروخت کرتے جہاں
وہ ارزاں خیال کیے جاتے تھے۔ اور ان کی بیحد قدر کی جاتی تھی۔ ان کارخانوں میں مشروع ۔ ہمرو۔
تافتہ۔ بادلہ۔ ساڑیاں۔ دھوتی۔ ڈوریہ۔ململ۔ رومال سوسی۔ سیلہ اور دوپٹے وغیرہ مختلف اقسام
.. ں کے تیار ہوتے تھے۔ ناندیڑ۔ ماچن پلی۔ چارا۔ آدونگیر۔ آندورا ور رائچور وغیرہ مقاموں کے
.. ہ سیلے اور دستاریں بہت مشہور تھیں۔ یہ کپڑے اس قدر مقبول اور پسند تھے کہ بادشاہ، اُمراء،

سلطان احمد ولی بہمنی انتظامات

وزراء اور جاگیرداروں کے لباس انھی کپڑوں کے ہوا کرتے تھے۔

بیدر کی صنعت نے بھی آپ کے زمانے میں خوب ترقی کی تھی۔ اس صنعت کے متعلق مشہور ہے کہ بیدر کے ایک ہندو راجہ نے اس کو ایجاد کیا تھا۔ وہ ان برتنوں میں پھول رکھ کر روزانہ اپنے خاندانی دیوتاؤں پر چڑھاتا تھا۔ اس کے جانشینوں نے اس صنعت کو خاص ترقی دی تھی لیکن موجودہ صفائی اور نزاکت آپ کے زمانے کی یادگار رہے۔ آپ نے سرپرستی کر کے اس صنعت کو اس قدر ترقی دی کہ اس کے صدہا کارخانے بیدر میں قایم ہو گئے اور ایسے عمدہ اور نفیس برتن تیار ہونے لگے کہ جن کی نظیر اُس وقت دنیا میں ملنی مشکل تھی۔ ان کارخانوں میں ظروف جست اور بجرسی مثلاً حقہ۔ پاندان۔ آفتابہ۔ قلمدان۔ عطردان۔ کٹورے۔ طشت۔ خاصدان وغیرہ نہایت عمدہ تیار ہوتے تھے جو دور دراز ممالک میں نہایت قدر و قیمت سے فروخت ہوتے تھے۔ اور ان کی شہرت دنیا کے تمام حصوں میں تھی۔ آج کل بھی یہ صنعت بیدر میں جاری ہے۔ اور قدیم کاری گروں کی اولاد کے دو تین کارخانے قایم ہیں۔

فولادی ہتھیار سازی کے کارخانے، اندور، بھونگیر اور نرمل وغیرہ میں قایم تھے جہاں نایاب تلواریں۔ خنجر اور کٹاریں وغیرہ تیار ہوا کرتی تھیں اور جن کی عمدگی کی شہرت سُن کر عرب و عجم کے تاجر دکن آ کر انھیں خرید ا کرتے تھے۔

ورنگل اپنے قالین بافی کی وجہ سے دنیا میں مشہور تھا۔ ورنگل کے جیسا قالین دنیا کے کسی حصے میں تیار نہیں ہوا کرتا تھا۔ اس صنعت کو ورنگل کے ہندو راجاؤں نے خوب ترقی دی تھی۔ جب ورنگل بہمنیوں کے ماتحت آیا تو بہمنی سلاطین نے اُس کو اور بھی فروغ دیا۔

آپ نے اپنے عہد میں صنعت و حرفت کو خوب فروغ دیا۔ آپ کی سرپرستی کی شہرت سُن کر بیدر میں ایسے ایسے ماہرین فن جمع ہوئے جن کی مثال اُس وقت دنیا میں ملنی مشکل تھی۔ آپ نے صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے تجارت کو بھی خوب ترقی دی۔ آپ کے زمانے میں بیدر اور دیگر مقامات دکن میں دنیا کے مختلف حصوں کے تاجر آ کر خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ غرض آپ کے زمانے میں دنیا کے مختلف حصوں کی تیار شدہ اشیاء بیدر میں آ کر فروخت

سلطان احمد شاہ ہوا کرتی تھیں اور تجارت اور صنعت و حرفت کو جو فروغ اُس وقت ہوا وہ کسی اور ولی بہمنی کے بادشاہ کے زمانے میں دکن کو نصیب نہ ہوا تھا۔

انتظامات سلطنت

ٹپہ خانہ سلاطین بہمنیہ کی اصطلاح میں ٹپہ خانہ کو "چپار خانہ" کہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ٹپہ کا انتظام خاص شاہی رسل و رسائل کے لیے تھا۔ اور ٹپہ رسانی کے لیے متعدد نایکواڑی مقرر ہوتے تھے اور تین تین میل پر ٹپہ کی چوکیاں قایم کی گئی تھیں۔ معمولی احکام اور پروانجات شاہی روزانہ روانہ کیے جاتے تھے۔ اور اضلاع اور صوبوں سے سرکاری احکام کے جوابات آتے تھے۔ اس قسم کی ڈاک کو گھونگرو ٹپہ کہا جاتا تھا۔ ساانڈنیاں بھی ٹپہ رسانی کے لیے مقرر تھیں۔ جو ضروری احکام شاہی ایک مقام سے دوسرے مقام کو نہایت تیزی سے پہنچاتی تھیں۔ اور وقایع نگاروں اور شقداروں کی رپورٹیں بادشاہ کے حضور میں لاتی تھیں۔ ٹپہ رسانی کی ساانڈنیوں کی رفتار روزانہ ستر کوس ہوا کرتی تھی۔ اور ضرورت کے وقت اس سے بھی زیادہ رفتار ہو جاتی تھی۔ بہمنیوں کے ہاں گھوڑوں کے ذریعہ سے بھی ٹپہ رسانی کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کے لیے انتظام یہ تھا کہ تین تین میل کے فاصلے پر مکانات بنا کر گھوڑے رکھے جاتے تھے۔ جو گھوڑوں کی ڈاک چوکیاں کہلاتے تھے۔ یہ گھوڑے ایک چوکی سے دوسری چوکی کو ٹپہ لیجا کر پہنچایا کرتے تھے۔ اس قسم کے انتظام ٹپہ رسانی کو "بُرید و بام" کہتے تھے۔ یہ انتظام ٹپہ رسانی بھی خاص شاہی رسل و رسائل کے لیے تھے۔ اُمراء، وزراء بھی ضرورت کے وقت ٹپہ رسانی کا خانگی انتظام کر لیا کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سلطان محمد شاہ تغلق کے پاس دہلی سے خطوط ورنگل اور دولت آباد میں ساتویں دن پہنچتے تھے۔ اس سے انتظام ٹپہ کی خوبی معلوم ہوتی تھی۔ بہمنیوں نے بھی سلاطین تغلق ہی کی تقلید کی تھی۔ انھی طریقوں پر تمام سلاطین بہمنیہ کے زمانے میں ٹپہ رسانی کا کام ہوا کرتا تھا۔

بہمنیوں کے زمانے میں راستے پُر خطر تھے۔ تنہا مسافر یا تاجر صحیح و سالم نہیں گذر سکتا تھا۔ تاجروں کے قافلے بھی مشکل سے آمد و رفت کیا کرتے تھے۔ بھیل۔ کولی۔ بیڈر راستوں میں لوگوں کو لوٹا کرتے تھے۔ ان کی بد معاشی اور ظلم و تعدّی سے اکثر جانیں ہلاک اور مال و اسباب تلف ہوتے تھے۔ حسن گانگو بہمنی نے ان اقوام کے فساد اور فتنوں کو سخت سزائیں۔ قتل اور حبس دوام کے

ذریعہ موقوف کرایا جس کی وجہ سے یہ خطرہ ختم ہوا اور اس نے ان لوگوں کو پیدل فوج میں ملازم رکھ لیا تھا ان کے سرداروں کو زیادہ تنخواہیں ملا کرتی تھیں۔ غرض حسن گانگو بہمنی نے اپنی اس حکمت عملی کے ذریعہ راستوں کے خطروں کو دفع کیا جس کی وجہ سے غربا اور تاجروں کی آمد و رفت کے لیے راستہ محفوظ ہو گیا تھا۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

شکارگاہ

سلاطین بہمنیہ شکار کے بڑے شوقین تھے جب کبھی انھیں فرصت ملتی شکار کے لیے جایا کرتے تھے۔ حسن گانگو کو بھی اس کا بہت شوق تھا اور اسی کی وجہ سے اس کی موت بھی واقع ہوئی تھی۔ آپ کو بھی شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک روز جنگ کے دوران میں آپ شکار کے لیے جنگل میں نکل گئے جہاں دشمنوں نے آپ کو گھیر لیا اور بڑی مشکل سے عبدالقادر سرسلحدار ان کی مدد سے آپ کی جان بچی اور اپنے لشکر میں بخیر و عافیت واپس آئے۔ بقول فرشتہ بیدر کو پایہ تخت بنانے کا خیال بھی آپ کو شکار ہی کی وجہ سے آیا تھا۔ سلاطین بہمنیہ کے ہاں باضابطہ محکمۂ شکارگاہ قایم تھا جس میں میر شکاری اور دیگر عہدہ دار تنخواہ یاب مقرر کیے جاتے تھے جو شکار کے وقت بادشاہ کے ہمراہ رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اسی محکمہ کے تحت شکاری کتے، چیتے اور دیگر جانور پالے جاتے تھے جن کے ذریعہ شکار کیا جاتا تھا۔

توشک خانہ

بہمنی اپنی اصطلاح میں توشک خانہ کو "جامہ خانہ" کہا کرتے تھے۔ ان کے ہاں اس کا باضابطہ محکمہ قایم تھا جس میں تنخواہ یاب ملازمین رکھے جاتے تھے۔ اس محکمہ کے افسر کو جامدار کہتے تھے۔ اس کے ماتحت کئی اور آدمی بھی ملازم ہوتے تھے۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانے میں اس کا صدر ایک حبشی غلام تھا۔ اور اس کے دیگر ملازمین بھی اکثر حبشی غلام ہی ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ کے پہننے کے کپڑے اسی محکمہ کے تحت رہتے تھے۔ اس لیے اس کے افسر کا کام یہ تھا کہ روزانہ صبح بادشاہ کا لباس تبدیل کرائے۔ توشک خانہ میں ہزارہا تھان مخمل کاشانی۔ زربفت خراسانی۔ دیبائے رومی۔ اطلس چینی۔ شالہائے کشمیری۔ زردوزی قبائیں۔ ہمرو۔ مشروع۔ نانديڑ کے سیلے۔ سنجر خانی۔ اور مہدی خانی وغیرہ رہتے تھے۔ اور کئی ہندی، اور ایرانی ریشمی، اونی اور سوتی قالین بھی تھے۔ ہندی خاصکر اکل کوٹ ضلع برار کی

لہ۔ تذکرۃ الملوک۔

سلطان احمد شاہ شطرنجیاں اور دکن کی سوزنیاں بھی تھیں اس کے علاوہ بادشاہی شان وشوکت کے لایق ولی بہمنی کے ڈیرے۔خیمے۔چترا ورخرگاہ۔قناتیں۔اور پردے بھی بہت تھے ان کے علاوہ متعدد سیانے۔ انتظامات سلطنت ہاتھیوں کے ہودے اور اونٹوں کے کجاوے تھے۔علیٰ ہذالقیاس اور بھی سامان شاہی واسباب ملک کشائی کثرت سے موجود تھا۔

پولیس سلطنت میں اندرون امن برقرار رکھنے کے لیے بہمنی بادشاہوں نے اپنے ہاں پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قایم کر رکھا تھا چنانچہ اس صیغہ کے افسر اعلیٰ کو کوتوال کہتے تھے جس کے ماتحت کئی اور عہدہ دار اور سمد باجوان ہوا کرتے تھے۔ملک میں جھگڑے اور فساد نہ ہونے دینا اور اگر واردات ہو جائے تو اس کی تفتیش وتحقیق کرنا اور ملزم کا پتہ لگانا اور اس کو سزا دلوانا پولیس ہی کے فرایض میں داخل تھا۔معمولی مقدمات کی سماعت کرنے اور بحیثیت مجسٹریٹ کے سزا دینے کا اختیار بھی کوتوال کو حاصل تھا۔اس کے علاوہ قیدیوں کی نگرانی اور جیل خانے کے جملہ انتظامات بھی اس کے ہی سپرد تھے۔

سکّے مسلمانوں میں بادشاہت کی خاص علامت سکّہ اور خطبہ خیال کی جاتی ہے۔چنانچہ کسی بادشاہ کے تخت نشیں ہونے یا کسی سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ اُس کے نام کا سکّہ چلایا جائے اور اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

حسن گانگو نے دکن میں جب سلطنت قایم کی تو اپنے نام کے سکّے کو اپنی سلطنت میں رواج دیا۔چنانچہ حسن گانگو کے مختلف قسم کے سکّے دستیاب ہوئے ہیں۔

حسن گانگو کے بعد محمد شاہ اوّل کی کوششیں بہمنی سکّے کو رواج دینے کے سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ہمسایہ ہندو سلطنتیں اس بات کی کوشاں تھیں کہ مسلمانوں کے سکّوں کو عام رواج حاصل نہ ہو۔چنانچہ ہندو سناروں نے اس بات کی کوشش کی کہ اسلامی سکّوں کو جہاں تک ہو سکے گلا ڈالا جائے۔اس فتنے کو روکنے کے لیے محمد شاہ نے جو مدافعانہ تدابیر اختیار کیں ان کا ذکر فرشتہ اور دیگر مورخین نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔غالباً ہندو سناروں کی انھی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ حسن گانگو اور محمد شاہ اوّل کے سکّے کم مقدار میں دستیاب ہوتے ہیں۔

محمد شاہ کے بعد سے احمد شاہ تک تقریباً تمام سلاطین بہمنیہ کے سکّے دستیاب ہوتے ہیں۔

یہ سکے ابتداءً سلاطین دہلی کے سکوں سے مشابہ ہوتے تھے۔ وزن۔ حجم۔ طرز تحریر اور عبارت سلطان احمد شاہ تقریباً وہی ہوتی تھی جو سلاطین دہلی کے سکوں کی تھی۔ ان سکوں سے سلاطین بہمنیہ کے نسب نامے۔ ولی بہمنی کے تاریخ تخت نشینی اور وفات اور ناموں کی تصحیح ہوتی ہے۔ یہ سکے مختلف اوزان اور حجم کے انتظامات سلطنت ہوتے تھے۔ ان پر عبارتیں بھی علحدہ علحدہ کندہ ہوتی تھیں۔ آپ کے سکوں کی قسموں اور ان کی عبارتوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔ اور آپ کے سکوں پر جو القاب درج ہیں اُن سے آپ کی معدلت گستری، آپ کے جود و کرم، مذہب پرستی اور حق پروری کا پتہ چلتا ہے۔ نقرئی سکے پر یہ القاب درج ہیں:۔

السلطان العادل الباذل.......... شہاب الدنیا والدین احمد شاہ

الناصر الدین الدیان المغازی........... السلطان

(مسی سکوں پر جو القاب ہیں وہ حسب ذیل ہیں)

المطیع .... ابوالمظفر

المنان .... احمد شاہ

بامر اللہ [1] .... السلطان

المنصور .... ابوالمغازی

بنصر اللہ .... احمد شاہ السلطان

المنان ۸۲۸ھ

المؤید .... ابوالمغازی

بنصر اللہ .... احمد شاہ السلطان

الملک المنان ۸۳۶ھ

احمد شاہ بن احمد بن حسن البہمنی

---

[1] عجائب خانہ باغ عامہ کے مہتمم صاحب سے ان سکوں کی عبارتیں حاصل کی گئی ہیں جس کے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

لوازمات شاہی

تاریخ اسلام میں خلفائے عباسیہ کی وجہ سے سیاہ رنگ کو خاص امتیاز و شرف حاصل تھا جب ۷۴۸ھ میں امیران صدہ نے سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا تو انھوں نے تیمناً و تبرکاً اسی رنگ کو اس کا نشان قرار دیا اسی لیے سلاطین بہمنیہ کا چتر، سراپردہ اور دہلیز سیاہ ہوتی تھی۔ ہندوستان میں قدیم سے چتر۔ تخت۔ تاج۔ اسپ۔ فیل اور میانہ لوازمات شاہی تصور کیے جاتے تھے اور سلاطین بہمنیہ بھی ان سب کی عمدگی اور نفاست کو اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

چتر

چتر سیاہ ریشمی کپڑے کا تھا اور اس کا قبہ قسم قسم اور رنگ برنگ کے قیمتی جواہرات سے مزین ہوتا تھا اور اس کے کلس پر ہما کی ایک مرصع مورت نصب ہوتی تھی جس کے سر پر بطور تاج کے ایک بہت بڑا خوش آب یاقوت لگایا جاتا تھا۔ جس کو رائے بیجانگر نے سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کو نذر دیا تھا اور جس کی قیمت کی تشخیص سے دکن کے جوہری عاجز تھے۔

تخت

سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی کا تخت سونے اور چاندی کا تھا محمد شاہ کی طبیعت غیرت پسند تھی اس لیے باپ کے تخت کو دربار میں سجدہ کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا یہاں تک کہ اس کے عہد سلطنت میں رائے تلنگانہ نے ایک تخت (جو اس نے محمد تغلق بادشاہ دہلی کے نذر کرنے کے لیے تیار کروایا تھا) سلطان محمد شاہ کو دے دیا تو سلطان نے اسے بڑی نعمت سمجھ کر دربار میں بچھوا دیا اور اپنے باپ کے تخت کو علیحدہ ایک گوشہ میں ہمیشہ کے لیے بیکار رکھوا دیا جس کو سلطان فیروز شاہ بہمنی نے مدینہ منورہ بھیجدیا جہاں اس کو توڑ کر سادات میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہی رائے تلنگانہ کا دیا ہوا تخت آخر وقت تک سلاطین بہمنیہ کے لیے باعثِ افتخار رہا۔ یہ تخت آبنوس کی لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اس ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ اٹھاتے وقت اس کا تختہ تختہ جدا ہوتا تھا اس کا طول تین گز اور عرض ڈھائی گز تھا اوپر کے طرف سونے کے پتر جڑے ہوئے تھے جو فیروزہ کی میناکاری سے مرصع تھے اسی وجہ سے اس کا نام تخت فیروزہ رکھا گیا تھا اور سلاطین بہمنیہ نے اپنی شکوہ پسندی سے اس میں بہ کثرت بیش قیمت جواہرات جڑے تھے۔ سلطان محمد شاہ ثالث کے زمانے میں اس کی قیمت کا

انداز ہ ایک کروڑ ہون یعنی ساڑھے تین کروڑ روپیے کیا گیا تھا۔

سلطاد

تاج

سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی نے دکن میں منصبداری دستار ایجاد کی تھی سلاطین بہمنیہ میں ولی یہ اس کا رواج فیروز شاہ بہمنی تک جاری رہا۔ فیروز شاہ نے بجائے منصبداری دستار کے انتظام تاج نما دستار اختیار کی۔ فیروز شاہ کے زمانے سے آخر تک تاج پوشی کی رسم برابر جاری رہی۔ تاج سونے کا ہوتا تھا اور یاقوت، الماس اور مروارید سے مرصّع ہوتا تھا اس تاج کی قیمت کا اندازہ چودہ لاکھ روپیے کیا گیا تھا۔

اسپ، فیل، میانہ فرامین داب شاہی

شاہان بہمنیہ کے اصطبل میں عربی۔ عراقی اور عجمی ہر قسم کے گھوڑے رہتے تھے اور ان کا سامان زین ولگام مرصّع ہوتا تھا۔ ہاتھیوں کی بھی ان کے ہاں کمی نہ تھی۔ محمد شاہ اوّل نے تو تین ہزار ہاتھی جمع کیے تھے۔ مگر بعد میں بھی دو ہزار سے کم کسی وقت نہ تھے۔ فیل خاصہ پر عماری زرّین و مرصّع اور جھول زرباف وزرکار کی ہوتی تھی۔ میانہ بھی مرصّع ہوتا تھا اور اس پر زردوزی پردے پڑے رہتے تھے۔

سلاطین اسلام کے دستور کے مطابق سلاطین بہمنیہ کے فرامین شاہی کے پیشانی پر بادشاہ کے نام کا طغرا ثبت ہوتا تھا اور مہر لگائی جاتی تھی۔

سلاطین بہمنیہ کی اولاد کی شادی یا تو ان کے ہی خاندان میں ہوتی تھی یا بادشاہانِ قرب وجوار کے ہاں اور بعض خاص صورتوں میں اُمراء و مشائخین کو بادشاہ کی دامادی کی عزت حاصل ہوتی تھی۔

بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت اُمراء، وزراء، منصبدار، جاگیردار اور طرفدار نذریں پیش کرتے اور حسب حیثیت پیشکش اور ہدایا داخل کرتے تھے۔

بادشاہ کے اردلی میں دو سو منتخب سوار رہتے تھے جن کی تحویل میں شاہی سلحہ خانہ رہتا تھا، اس لیے انھیں سلحدار کہتے تھے اس کے علاوہ چار ہزار سواروں کا باڈی گارڈ بھی رہتا تھا جس میں بڑی تنخواہوں کے منتخب سپاہی بھرتی کیے جاتے تھے ان کے گھوڑے ساز و سامان اور وردیاں وغیرہ بیش قیمت اور بہت اعلیٰ درجے کی ہوتی تھیں۔

شاہ باڈی گارڈ کا نام اصطلاح بہمنیہ میں "خاصہ خیل" تھا۔

خطابات

سلطنت بہمنیہ میں سب سے بڑا خطاب خانخاناں کا سمجھا جاتا تھا۔
اس کے بعد خواجہ جہاں۔ خان جہاں اور خان زماں وغیرہ کا درجہ تھا۔
ملک التجار کا خطاب بھی بہت بڑے درجے کا تھا۔ یہ خطاب سلطان احمد شاہ ولی بہمنی نے
اپنے تخت نشین ہونے کے بعد خلف حسن بصری کو دیا تھا چونکہ یہ شخص سوداگر تھا اس لیے یہ خطاب
تجویز کیا گیا تھا۔ ملک المشائخ۔ ملک العلماء اور ملک الشعراء بھی بڑے خطابات تھے اس کے بعد
ملک کا خطاب تھا۔ مثلاً شیر ملک۔ نظام الملک۔ عین الملک وغیرہ آخر درجہ کا خطاب
خانی کا تھا۔ مثلاً ملو خان اور سارنگ خان وغیرہ۔

فوجی اصلاحات

سلطان احمد شاہ نے ملکی اصلاحات کے ساتھ ساتھ فوجی اصلاحات
کی طرف بھی خاص توجہ کی تھی۔ چونکہ اُس زمانے میں سلطنت بہمنیہ کو
ہمیشہ مخالف سلطنتوں سے سابقہ پڑتا تھا اس لیے فوجی اصلاحات ضروری اور اہم تھیں۔

سلطان علاء الدین حسن گانگو کے زمانے سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ کمانداروں کے
دو درجے ہوتے تھے یعنی پانصدی اور ہزاری۔ ان میں سے پانصدی کو سالانہ ایک لاکھ ہُن اور
ہزاری کو سالانہ دو لاکھ ہُن ملتے تھے۔ یہ روپیہ یا تو نقد دیا جاتا تھا یا اس کے معاوضے میں
جاگیر عطا کی جاتی تھی۔ سپاہیوں کو شاہی خزانہ سے تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔ کماندار اپنی
مرضی کے مطابق سپاہیوں کو تنخواہ دیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ممالک محروسہ کے سپہ سالار کو
امیر الأمراء کا خطاب دیا جاتا تھا۔ اس خطاب کے ساتھ اس کو ہزار پانصدی کے
منصب سے بھی سرفراز کیا جاتا تھا۔ پانصدی اور ہزاری کماندار اسی کے ماتحت
ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ امیران صدہ اور امیران سہ صدی بھی اسی کے ماتحت تھے۔
امیر صدہ سو سپاہیوں کا اور سہ صدی تین سو کا افسر ہوتا تھا۔ یہ پایہ تخت کا فوجی انتظام تھا۔

صوبہ واری فوجی انتظام یہ تھا کہ طرفدار ہی سرلشکر ہوا کرتا تھا۔ یہ اپنے صوبہ کی
فوج کا سپہ سالار سمجھا جاتا تھا۔ کل سلطنت چار صوبوں میں تقسیم تھی۔ اس لیے چاروں
طرفدار اپنے اپنے علاقوں کی فوج کے سرلشکر یعنی سپہ سالار ہوا کرتے تھے۔ امیر الامراء اور

کمانداروں کا تقرر بادشاہ خود کرتا تھا۔ یہ بڑے فوجی عہدے تھے۔ ان کے علاوہ کئی چھوٹے چھوٹے عہدے۔ ان عہدہ داروں کے ماتحت قایم تھے۔

حسن گانگو بہمنی کے زمانے میں پایہ تخت میں پچاس ہزار سوار اور پچیس ہزار پیدل فوج رہا کرتی تھی لیکن محمد شاہ اور دیگر سلاطین بہمنیہ کے زمانے میں اس تعداد میں اضافہ ہوا علیٰ ہذا القیاس پایہ تخت میں مستقل طور پر تمام سلاطین بہمنیہ کے زمانے میں سوار اور پیدل فوج ایک لاکھ رہنے لگی اس فوج کے علاوہ چاروں صوبجات میں سرلشکروں کے ماتحت کسی حالت میں بھی چالیس ہزار سے کم فوج نہیں رہتی تھی اس طرح کہ ہر ایک صوبے میں دس ہزار سوار اور پیدل فوج رہا کرتی تھی۔ ضرورت کے وقت صوبہ دار اپنی فوج کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں شامل ہو جاتا تھا اور جان و مال کو بادشاہ پر نثار کرتا تھا اس کے علاوہ جاگیرداروں کے پاس بھی فوج ہوا کرتی تھی جو ضرورت کے وقت کام آتی تھی۔

آپ کے عہد میں ممالک محروسہ کے سپہ سالاری کی خدمت پر امیر الامراء عین الملک فائز تھا اس کو ہزار پانصدی کے منصب سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ میر علی کرد المخاطب بہ کافرکش ہزاری کماندار اور قاسم بیگ صف شکن پانصدی کماندار تھے۔ میر فرخ بدخشی۔ میر علی سیستانی حسن خاں۔ فرخ خاں اور سید حسن بدخشی امیران سہ صدی اور خسرو بیگ اوزبک۔ خواجہ حسن اردستانی۔ عالم خاں۔ لودھی خاں اور دلاور خاں اور عبداللہ خاں نبیرۂ اسمٰعیل منج امیران صدہ تھے۔ بیدار نظام الملک سرلشکر دولت آباد۔ عبدالقادر مخاطب بخان جہاں سرلشکر برار۔ عبداللطیف مخاطب بہ خان اعظم سرلشکر تلنگانہ اور خلف حسن بصری سرلشکر گلبرگہ و بیجاپور مقرر ہوئے۔

قدیم فوجی انتظام میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اس کے علاوہ فوجی عہدہ داروں اور سرلشکروں کے اختیارات بہت بڑھ گئے تھے اس لیے آپ نے اپنے زمانے میں اس حالت کو ملک کے لیے خطرناک تصور کرکے اصلاحات جاری کیں۔ آپ نے تمام نامناسب باتوں کی اصلاح کی اور ان عہدہ داروں کے اختیارات کم کرکے ان کی

ایک حد معیّن کردی! ورذیلی عہدہ داروں میں بھی جو اہم تھے ان کا تقرر آپ خود کیا کرتے تھے۔
اس کے علاوہ ان کی فوج کی تعداد بھی محدود اور کم کر دی گئی تھی۔ لیکن ان کے عہدے اور
درجے وہی قایم رکھے جو قدیم سے جاری تھے جب آپ ضرورت خیال کرتے تو ان کے
اختیارات اور ان کی فوج میں اضافہ بھی کرتے تھے اس کی وجہ سے فوجی سپہ سالاروں
اور سرلشکروں کی قوت بالکل کم ہو گئی اور وہ سب آپ کے قابو میں آ گئے! ور ان کے
بغاوت کرنے یا بادشاہ کے خلاف سازش کرنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا تھا غرض
آپ نے ایک بڑی حد تک تمام فوجی انتظام کو مرکزی حکومت کے تحت کر لیا تھا۔

(حاشیہ: ...لطان احمد شاہ ...بہمنی کے ...امان سلطنت)

سلاطین بہمنیہ کی ساری فوج کئی لشکروں پر منقسم تھی۔ ہر لشکر کے ساتھ متعدد ہاتھی
اور توپ خانے ہوتے تھے۔ سلطان محمد شاہ اوّل کے زمانے سے توپیں اور باروت
بنانے کے کارخانے سلطنت بہمنیہ میں قایم ہوئے تھے؛ ور یہی پہلا مسلمان بادشاہ ہے جس نے
دکن میں بڑا توپ خانہ[1] ترتیب دیا تھا اور اس سے پہلے مسلمانوں میں توپ کا استعمال اور
رواج شروع نہیں ہوا تھا تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت بیجانگر میں بہمنیوں سے
قبل توپوں کا رواج تھا چنانچہ محمد شاہ اوّل نے جب سنہ ۷۶۷ھ[2] م ۱۳۶۵ء میں بیجانگر پر چڑھائی کی اور

---

[1] توپ کے موجد عرب ہیں۔ انھوں نے ہی اسے اوّل اوّل ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں
رواج دیا! ان کے اور ایرانیوں کے ذریعے توپ کا رواج سلطنت بہمنیہ میں ہوا۔
کیونکہ اس زمانے میں یہ لوگ کثرت سے دکن آیا کرتے تھے۔ پرتگیزوں کی جب
ہندوستان میں آمد و رفت شروع ہوئی تو انھوں نے اقرار کیا کہ سلاطین دکن کے پاس
اُن سے کہیں بہتر اور بڑا توپ خانہ ہے۔

[2] فرشتہ اس مورخ کا یہ قول کہ دکن میں مسلمانوں سے پہلے ہندوؤں میں توپ کا استعمال شروع
ہو گیا تھا، غلط ہے کیونکہ یہ مسلّمہ ہے کہ دکن میں توپ کا استعمال مسلمانوں ہی نے شروع کیا تھا اس کے
علاوہ برہان مآثر میں اس لڑائی کے حالات میں توپ کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا فرشتہ کی روایت کہ
اس جنگ میں راجہ بیجانگر نے توپ کا استعمال کیا تھا غلط ہے۔

فتحیاب ہوا تو کئی توپیں اس کے ہاتھ لگیں۔ سلاطین بہمنیہ کا توپخانہ بیجانگر سے زیادہ بہتر اور عمدہ تھا سلطان احمد
بہمنیوں کے زمانے میں توپچی کی خدمت پر اکثر رومی اور ترکی مسلمان مامور تھے۔ توپ خانہ کے　ولی بہمنی
افسر اعلیٰ کو بہمنیوں کی اصطلاح میں میر آتش کہتے تھے۔ محمد شاہ اوّل کے زمانے میں میر آتش مقرب خاں　انتظامات
بن صفدر خاں سیستانی تھا بادشاہی کارخانوں میں توپیں بنائی جاتی تھیں۔ گولے ڈھالے
جاتے تھے اور بندوقیں بھی تیار ہوتی تھیں انھیں کارخانوں میں تلوار، خنجر اور نیزے وغیرہ آلات حرب بھی
تیار کیے جاتے تھے اور باروت بنانے کے بھی متعدد کارخانے قائم تھے۔ غرض محمد شاہ کے زمانے میں
آتش بازی اور جنگ کے نہایت عمدہ آلات مہیا کیے گئے تھے۔ ممالک مقبوضہ میں بھی شقداروں کو
تاکید کی جاتی تھی کہ وہ ہر وقت آلات حرب اور سامان جنگ فراہم اور مہیا رکھا کریں۔
مرکزی حکومت کے علاوہ ہر صوبہ میں بھی متعدد کارخانے قایم تھے، جہاں ہتھیار بنائے
جاتے تھے، اور صیقل گر اُن کو صیقل کیا کرتے تھے۔ آپ کے زمانے میں بھی متعدد کارخانے
پایہ تخت بیدر میں قایم ہو گئے تھے اور نامی گرامی کاریگر دور دراز مقامات سے آکر بیدر میں جمع
ہو گئے تھے۔ ان کاریگروں کی اولاد ابھی تک بیدر میں آباد ہے جو عمدہ ہتھیار بنایا اور صیقل کیا
کرتی ہے۔ اور ایک محلہ انھیں کے نام سے "محلہ صیقل گراں" اب تک موجود ہے۔

لڑائیوں میں توپیں زیادہ کام آتی تھیں اور محاصروں میں اپنی زہرہ شگاف آواز سنا کر
قلعہ کی دیواروں کو خاک میں ملاتی تھیں۔ توپوں کے علاوہ محاصروں میں منجنیقیں اور گوپنیں بھی
استعمال کی جاتی تھیں۔ بہمنیوں کی فوج میں سواروں کی کثرت تھی جو عموماً ترکی اور ایرانی ہوا کرتے تھے۔
پیدل فوج بہت کم ہوا کرتی تھی۔ سوارہ فوج تیراندازی میں ماہر تھی۔ اور چھوٹے چھوٹے گھوڑے
اُن کی سواری میں ہوا کرتے تھے۔ ان سواروں کے گھوڑے تاروں کے جھولوں سے محفوظ کیے
جاتے تھے۔ ہر سوار کے پاس دو سپاہیوں کے ہتھیار رہتے تھے۔ اور زمانۂ سفر میں دو سواروں میں
ایک ٹٹو دیا جاتا تھا جس پر ایک ماہ کا سامان رسد لدا ہوتا تھا۔

سلاطین[1] بہمنیہ کے ہاں جنگی بیڑہ بھی موجود تھا جو جہاں ضرورت ہوتی وہاں بھیجا جاتا تھا

---

[1] فرشتہ۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

اُن کا بیڑہ تمام ہندوستان میں مشہور تھا۔ ان کے ماتحت دابھول گوآ۔ مچھلی بندر وغیرہ بندرگاہ تھے جن میں بہ کثرت جہاز رہا کرتے تھے۔ جنگی جہازوں کے علاوہ تجارتی جہاز بھی تھے جو تجارت کا سامان لیکر ایران، مصر، شام اور عراق وغیرہ کو جاتے اور وہاں کا مال لیکر واپس آتے تھے جہاز سازی کے کارخانے بھی انھیں بندرگاہوں پر تھے۔ یہاں سے ہر سال کئی جہاز صدہا زائرین کو لیکر مکۂ معظمہ جایا کرتے تھے۔ غرض سلاطین بہمنیہ کی بحری قوت بہت مشہور تھی اور انتظامات بھی عمدہ تھے۔

اس فوج[1] کے علاوہ بادشاہ کی خاص باڈیگارڈ فوج بھی ہوا کرتی تھی جو بہمنیوں کی اصطلاح میں "خاصہ خیل" کہلاتی تھی۔ یہ خاصہ خیل ایک افسر کے ماتحت تھی جس کو سرخیل کہا جاتا تھا جو اپنی فوجی خدمت نائب کے ذریعے سے انجام دیتا تھا۔ یہ سوارہ فوج تھی جو چار ہزار جوانانِ یکہ پر مشتمل تھی۔ علاوہ جوانان یکہ کے وہ لوگ جن کو شاہی ہتھیار۔ نفیس تلوار۔ تیر۔ نیزہ اور علم کی حفاظت کرنے کی خدمت سپرد کی گئی تھی اسلحدار کہلاتے تھے۔ ان کی تعداد بھی دو سو تھی۔ ان کے افسر کو سر سلحداران کہتے تھے۔ ان کے سوائے باردار خاص بادشاہ کے محافظ ہوا کرتے تھے۔ ان کی تعداد بھی دو سو تھی جو ایک افسر کے ماتحت تھے جن کو توآچی کہتے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ بادشاہی دربار میں اُمراء اور سر لشکروں کو باریاب کرائیں اور لشکر شاہی کو حاضر کریں۔

پچاس اسلحدار اور ایک ہزار خاصہ خیل نوبت بنوبت روزانہ حاضر دربار رہتے تھے۔ دیگر اُمراء و منصبدار بھی چوکی اور پہرہ میں شریک ہوتے تھے اس میں ایک افسر ہوتا تھا جس کو سرنوبت کہتے تھے۔ اور اُن میں چوکی اوّل کے سرنوبت کو دوسرے سرنوبتوں پر فوقیت ہوتی تھی اُس کو افسر سرنوبت کہتے تھے۔ آپ کے عہد میں سرنوبت[2] میمنہ کی خدمت پر محمد بن علی بادردی فائز تھا اور سرنوبت میسرہ پر عبداللہ خاں اور عبدالقادر بن عیسیٰ بن محمود بن عمادالملک سر اسلحداران تھا ان تمام کا کام یہ تھا کہ بادشاہ کے جان و مال کے محافظ رہیں محل شاہی پر رات دن پہرہ دیں اور کسی بیرونی شخص کو بغیر اجازت اور بغیر توسل باردار وں کے محل شاہی اور دربار میں داخل

---

[1] فرشتہ اور کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم۔

[2] برہان ماثر۔

ہونے نہ دیں۔ سلاطین بہمنیہ کے سلح خانے میں فولادی تلواریں، فولادی خنجریں، کھٹاریں، سپر، آہنی زرہ، آہنی خود، نیزے، تیروکمان، بندوق، گرز آہنی اور بارود کے متعدد کوٹھے تھے۔ ولی بہمنی کے بہمنیوں کے ہاں فیل خانہ، شترخانہ اور گاڑی خانہ بھی تھا فیل خانے میں کسی وقت دو ہزار سے کم فیل نہ رہتے تھے۔ شترخانے میں ایک ہزار سے زاید اونٹ اور گاڑی خانے میں دو سو رتھیں تین سو گاڑیاں دو ہزار مالوی اور گجراتی بیل اور خاص شاہی گھوڑے پانچسو سے کبھی کم نہیں رہتے تھے۔

سلطان احمد شاہ

انتظامات سلطنت

بیدر میں پایہ تخت کی منتقلی

جس زمانے میں سکندر رومی نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا دکن کے مشہور راجہ بیدر[1] فرزند راجہ پانڈو نے بیدر کو آباد کرکے اپنے نام سے موسوم کیا تھا اس کے علاوہ کتب راماین اور مہابھارت میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں یہاں بانس بہ کثرت تھا اور کنڑی میں بانس کو "ویدر" کہتے تھے یہ شہر ایک زمانے تک "ویدر" بھی مشہور رہا اور بعد میں کثرت استعمال سے "بیدر" ہوگیا۔ راجایانِ ورنگل[2] بیدر کی نزہت بخش آب وہوا اور دلفریب مناظر کی بہت قدر کرتے تھے اور ان کا دارالسلطنت گو ورنگل تھا لیکن سال میں ایک مرتبہ وہ ضرور اس کی سیر کرنے اور دیول ویرسنگپا[3] کی پوجا کے لیے آتے تھے اسی خاندان کے ایک راجہ مسمی راجہ امرسنگھ نے بیدر میں ایک قلعہ بنایا تھا جو تالاب کے کنارے ابھی تک موجود ہے۔ رامایَن اور پرانوں میں لکھا ہے کہ یہ جنوبی ہند کا مشہور شہر ہے۔ اور فرشتہ اور محمد شاہی میں مذکور ہے کہ بیدر راجایانِ دکن کا دارالسلطنت تھا راجہ بھیم سین نے اس کو دارالسلطنت بنایا تھا اس کی لڑکی کا نام دمن تھا جو راجہ نل

---

[1] ۔ قوم بیڈر جو شجاعت اور بہادری میں مشہور عالم ہے اسی راجہ کی نسل سے ہے۔

[2] ۔ ورنگل کا راج اہل ہنود کا بہت ہی قدیم اور مشہور راج ہے اس پر اندر جنس کے راجہ حکمران تھے۔

[3] ۔ یہ دیول اندرون قلعہ ارک قدیم قلعہ میں تالاب کے کنارے شمالی سرحد پر موجود ہے جس کی پوجا آج تک بھی ہوا کرتی ہے۔ بعض لوگ اس کو مہادیو کا دیول بھی کہتے ہیں۔

مان احمد شاہ
بہمنی کے
ظامات سلطنت

حاکم مالوہ کی معشوقہ تھی۔ فارسی میں اس قصہ کو فیضی نے نظم کیا ہے جو بہت مشہور ہے ۱۲۲ھ مطابق ۱۳۲۲ء تک یہ شہر ورنگل کے راج میں شامل رہا لیکن جوناخاں فرزند غیاث الدین تغلق شہنشاہ دہلی نے پرتاب رودر دیو راجہ[1] ورنگل سے اس کو چھین لیا تھا۔

مسلمانوں کے زیر اثر آنیکے بعد یہ غیر ممکن تھا کہ اس کی شان و شوکت اور آبادی میں روز افزوں ترقی نہ ہوتی۔ شہزادہ جوناخاں نے شہاب سلطان المخاطب بہ نصرت خاں کو دکن کی مفتوحہ سرزمین کا حاکم مقرر کیا اور اس کا مستقر بیدر قرار دیا۔ مفتوحہ ممالک پر فاتحین کی ابتدائی حکومت "درشتی و نرمی بہم در بہ است" کے اعلیٰ اصول پر قایم ہوئی۔ اس سے بیدر کی شان و شوکت میں اور بھی ترقی ہوئی۔ یہ بات بہت ہی معمولی ہے کہ جس مقام اور جس اجلاس پر ماتحتین کے ساتھ جابرانہ سلوک کیا جاتا ہے اس کی عظمت و شوکت، رعب و داب کا اثر غیر معمولی طور پر دلوں پر مرتسم ہو جاتا ہے۔ بیدر کی اعلیٰ حکومت شہزادہ کی قیادت کی زیر نگرانی کل مملکت دکن پر اپنی غیر معمولی شان و شوکت کا سکہ جمانے لگی۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ۷۲۵ھ م ۱۳۲۵ء میں جب شہزادہ نے تاج و تخت پایا اور اپنا نام سلطان محمد تغلق رکھا تو دکن زیادہ تر اس کے شجاعانہ و مردانہ کارناموں کا مرکز بن گیا اور قریب قریب اس کے ہر حصہ پر شہنشاہ دہلی کا پرچم اقبال لہرانے لگا۔ اب ملک کی وسعت نے یہ شکل پیدا کی کہ دہلی مرکز اور دارالسلطنت رہنے کے قابل نہیں رہی۔ بلکہ دیوگڑھ[2] یعنی دولت آباد پایۂ تخت بنایا گیا۔ شہر دہلی کے علماء، فضلاء و صوفیائے کرام اور تمام باشندے جبراً و قہراً وہاں لائے گئے۔ اور دکن پر پوری پوری نگرانی قایم رکھنے کے ممکن وسائل آسان کر دیئے گئے۔ اس طرح ایک عظیم الشان شہر پر زوال آنے لگا لیکن دولت آباد حسب مراد نہ ہو سکا۔ بادشاہ کی اس حرکت نے عوام کو مغموم بنا دیا تھا جب اس سے گزر کر اس کی سیاستیں اور لغزشیں عموماً تکلیف دہ ہونے لگیں اور جب وہ بلا کسی غور و خوض کے سخت سے سخت سزائیں اور ناقابل برداشت احکام

---

[1] ۔ تاریخ فیروز شاہی مولفۂ ضیاء الدین برنی لیکن فرشتہ نے اس راجہ کا نام لدر دیو راجہ لکھا ہے۔
[2] ۔ تاریخ فیروز شاہی مولفۂ ضیاء الدین برنی ۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی ۔ انتظامات سلطنت

نافذ کرنے کا عادی بن گیا تو اُمرائے دربار نے اُس کی اطاعت سے منحرف ہونے کی تدابیر سوچیں اور بالا تفاق دکن میں اپنی قوتیں بڑھانے اور اُس کو غصب کر لینے کی تجویزیں کرنے لگے۔ بیدر کا حاکم نصرت خاں بھی اس سازش میں شریک ہوگیا۔ مگر یہ راز بہت عرصہ تک پوشیدہ نہ رہ سکا۔ ورسلطان نے اُس کو معزول کر کے قتلغ خاں کو حکومت بیدر سے سرفراز کیا جو اس کا استاد اور کسی قدر معتمد علیہ شخص تھا۔ اب نصرت خاں نے آزادی کے ساتھ اُمرائے دکن سے ملکر بغاوت کے منصوبے باندھے، رعایا اور تمام راجاؤں کو اپنا موافق بنالیا اور ۷۴۲ھ مطابق ۱۳۴۲ء میں جب بادشاہ مہمات دکن سے واپس ہوا تو سبھوں نے دولت آباد میں اپنے مرکوز خاطر کا اعلان کیا اور اسمٰعیل منج کو ناصر الدین شاہ خطاب دے کر اپنا خود مختار بادشاہ بنالیا۔ یہ خبر پاتے ہی محمد تغلق نے دولت آباد پر چڑھائی کی اور باغیوں کو شکستیں بھی دیں۔ مگر اُسے سوائے نقصان کے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ لاہور و گجرات کے فتنہ و فساد کو فرو کرنے کے لیے اسے واپس ہوجانا پڑا۔ اور پھر دکن باغیوں کی جولاں گاہ بن گیا۔ علی شاہ نامی ایک باغی امیر اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ بیدر پر مسلط ہوگیا۔ مگر قتلغ خاں حاکم بیدر نے بہت جلد اس کا قبضہ اٹھادیا۔ اتنے میں سلطان محمد تغلق کا داماد عماد الملک تبریزی بھی ایک جرار فوج کے ساتھ بیدر پہنچ گیا اور باغیوں کی سرزنش شروع کردی۔ اُمرائے دکن کی جانبازفوج بھی فوراً بسرکردگی حسن گانگو بہمنی سپاہ سالار دکن کو اس کے مقابلہ پر آگئی۔ اس فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اس کے علاوہ راجہ ورنگل نے جو حسن کا ستایا ہوا تھا پندرہ ہزار فوج سے تائید کی اور دکن کا نیا بادشاہ ناصر الدین بھی پانسو سواروں کے ساتھ آپہنچا۔ طرفین میں کشت و خون شروع ہوگیا اور معرکہ کی لڑائیاں ہوئیں۔ بالآخر پُرجوش دکنی غالب آگئے اور عین معرکۂ کارزار میں عماد الملک تبریزی مارا گیا۔ بیدر پر بہ فتح و ظفر قابض ہونے کے بعد حسن نے دولت آباد کا ارادہ کیا اور یکے بعد دیگر محمد تغلق کے تمام مقبوضہ قلعوں کو دکنی لیتے گئے۔ اس بغاوت اور سرکشی میں زیادہ تر جانبازی اور اولوالعزمی حسن ہی نے دکھائی تھی

لہ ۔ فرشتہ اور تاریخ فیروز شاہی مولفۂ ضیاء الدین برنی۔

احمد شاہ	اور اکثر بلکہ کل فتوحات اسی کے ہاتھ پر ہوئی تھیں اس لیے ناصر الدین شاہ نے بطیب خاطر اس کو
بہنی کے	حکومت دے دی اور ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ م ۱۳۴۷ء روز جمعہ کو تاج شاہی باضابطہ اُس کے
سلطنت	حوالہ کر دیا۔ نئے بادشاہ نے اپنا لقب سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی رکھا اور گلبرگہ کو حسن آباد
نامزد کر کے اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ اور دکن کی اعلیٰ حکومت کا مستقر اٹھ جانے سے سلطان
علاء الدین حسن گانگو کے ہاتھوں بیدر کی روزافزوں ترقی کو نقصان پہنچا اور اس کو تلنگانہ کے ساتھ
ملا کر دکن کا منجملہ چار صوبوں کے ایک صوبہ بنا دیا گیا جس کے طرفدار کو اعظم ہمایوں کا خطاب
دیا گیا تھا۔

سلطان احمد شاہ خاندان بہمنیہ کے نویں بادشاہ تھے۔ آپ کے عہد سلطنت تک
تاجداران بہمنیہ کا پایہ تخت گلبرگہ تھا۔ آپ پہلے بادشاہ ہیں جنھوں نے بجائے گلبرگہ کے اپنا پایہ تخت
بیدر قرار دیا اور اپنی زندہ دلی اور جوہر شناسی کی بدولت اس سرزمین کی اس قدر قدر کی کہ
اسے معراج کمال تک پہنچا دیا اور آپ کی نظر سے یہاں کے پوشیدہ معادن بھی مخفی نہیں رہ سکے۔
اس کی کیفیت یہ ہے کہ تقریباً کل ممالک تلنگانہ اور مرہٹواڑی اور کرناٹک فتح اور ہوشنگ شاہ
والی مالوہ (مانڈو) کو شکست دینے کے بعد شہزادوں اور چند مخصوص درباریوں کے ساتھ
ایک روز آپ بتقریب شکار سواد بیدر میں داخل ہوئے۔ اثنائے سیر میں آپ کی نظر ایک
صحرا پر پڑی جو نہایت پُرفضا تھا۔ آپ اس کے نظارہ سے بہت خوش ہوئے۔ شکار کے لیے
کُتّے کو لومڑی پر چھوڑا۔ لومڑی گھبرا کر کُتّے پر جھپٹی، کُتّا عاجز آ کر پلٹ گیا۔ آپ نے یہ حال دیکھ کر
ساتھی اُمراء سے فرمایا کہ اس سرزمین کی آب و ہوا میں شجاعت و شہامت کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ
لومڑی کُتّے پر غالب آگئی، اس مقام کو ضرور پایہ تخت بنانا چاہیئے۔ اُمراء نے عرض کی کہ بادشاہ کا
خیال نہایت مبارک ہے اور گویا ایک الہامِ غیبی ہے کہ جو قلب مبارک پر نازل ہوا ہے۔
اس کے علاوہ بیدر مملکت دکن کے وسط میں واقع ہے۔ اور آب و ہوا کے لحاظ سے بھی

ملے۔ فرشتہ۔

ملے۔ اس قسم کی روایات اور دوسرے شہروں کے متعلق بھی مشہور ہے لہٰذا تبدیل پایۂ تخت کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی۔

ہندوستان کا بہترین شہر ہے[1]۔ "سلطان سوری[2] میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے" کہ آپ شکار کے لیے بیدر کے قریب تشریف لائے جہاں بانس بن تھا مگر آب وہوا نہایت پاک وصاف اور منظر نہایت خوشگوار تھا۔ اثنائے شکار میں اتفاقاً آپ کی نظر ایک لومڑی پر پڑی جو پلٹ کر شاہی شکاری کتوں سے مقابلہ کرنے لگی۔ یہ دیکھ کر آپ نے خیال کیا کہ یہ اس مقام کی آب وہوا کا

سلطان ولی بہمنی
انتظامات

---

[1] ۔ بیدر کے متعلق فرشتہ کا بیان ہے کہ میں نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کی ہے لیکن لطافت اور خوبی میں اس سرزمین کا نظیر میری نگاہوں سے نہیں گذرا۔ اس مقام کی خاک شنجرف کی طرح سُرخ ہے۔ برسات کے موسم میں جو ہندوستان کی ایک عمدہ فصل ہے کیچڑ بالکل نہیں ہوتی اس لیے کہ شہر سے دس کوس کے جوار تک تمام سرزمین سُرخ ہے اور اس میں لیسندہ مادہ موجود نہیں ہے۔ سیر و شکار کے وقت ساون بھادون میں گھوڑا نہیں تھکتا گھوڑوں کے سم اور آدمیوں کے قدم گِل آلود نہیں ہوتے۔ کیچڑ کے چھینٹے سر پہ نہیں پہنچتے اور پاؤں بھی نہیں پھسلتا۔ ہاتھ میں جوتیاں اور پائنچا چڑھانے کی نوبت نہیں آتی۔ ادھر بارش ہوئی اُدھر پانی جابجا بہہ گیا۔ اور شہر کے گلی کوچے صاف ہوگئے۔ علاوہ اس کے لطف یہ ہے کہ کپڑے اور بدن سُرخ نہیں ہوتے۔ خراسان اور عراق کے اکثر میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ خواجہ محمود گاواں نے اپنے زمانے میں زعفران، امرود اور ہر قسم کے انگور کے درخت بھی یہاں نصب کرائے تھے۔ اس زمانے میں اس شہر کا کوئی سرپرست نہیں ہے اور عادلشاہ فرمانرواؤں کا یہ پایہ تخت ہے۔

[2] ۔ یہ کتاب قلمی اور قدیم مرہٹی میں ہے۔ اس میں صرف سلاطین بہمنیہ گلبرگہ اور اور بیدر کے حالات درج ہیں۔ یہ کتاب موضع سول پور ضلع بیدر کے پٹیل کے پاس ہے۔ میں نے اس کے پاس سے کتاب مذکور حاصل کی ہے۔ اور مسٹر جوشی پروفیسر مرہٹی کلیہ جامعہ عثمانیہ کی مدد سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب بوسیدہ ہونے کی وجہ سے سنہ تالیف کا پتہ نہیں چلتا۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

اثر ہے جس نے اس جانور کو اس قدر ہمت والا بنا دیا ہے آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر اس کا پیچھا کیا۔ تعاقب کرتے کرتے سب لوگ تھک کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے ٹھیرے اور پانی کی تلاش کرنے لگے۔ وہاں انھوں نے ایک ضعیف چرواہے کو دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ پانی کہاں ملے گا اس نے ایک چشمہ بتایا جس پر ایک پتھر ڈھکا ہوا تھا اس پتھر کو وہ لوگ نہ اٹھا سکے اور اس نے اپنی لکڑی سے اس کو ہٹا دیا سب لوگوں نے اس چھوٹے سے چشمہ سے سیر ہو کر پانی پیا۔ آپ نے اس کے استدراج پر تعجب کر کے اس کا اور مقام کا نام دریافت کیا اس نے جواب دیا کہ اس کا نام بھکنڈہ اور مقام کا نام بیدر ہے۔ آپ نے اس سے اس مقام پر ایک قلعہ تعمیر کرنے کی خواہش ظاہر کی جس کو اس نے پسند کیا اور اس نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ قلعہ میں اس کے نام پر ایک مندر تعمیر اور ایک گاؤں آباد کیا جائے۔ آپ نے مبارک ساعت میں قلعہ بیدر کا سنگ بنیاد رکھا اور قلعہ میں چشمہ کے مقام پر ایک تالاب بنا کر اس کی استدعا کے مطابق اس کا نام تالاب بھکنڈہ رکھا۔"

نجومیوں[1] اور اختر شناسوں کو طلب کیا گیا اور ان کے مشورے سے قرار پایا کہ بیدر کو پایۂ تخت بنانا مبارک ہے تو نیک ساعت دیکھ کر شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کو آباد کر کے نام اس کا محمد آباد بیدر[2] رکھا۔ ماہرین فن مہندسوں سے شہر اور عمارتوں کے نقشے کھنچوائے گئے اور دور دراز ممالک سے نہایت مشہور اور عقلمند کاریگروں، سنگتراشوں، معماروں اور انجینیروں کو طلب کر کے یہاں قلعہ[3]، حصار، محلات شاہی، مسجد اور باغات کی تعمیر شروع کرائی۔ اور بتاریخ ۲۲[4] رجب ۸۳۲ھ م ۱۴۲۹ء آپ نے تخت بیدر پر جلوس فرمایا۔ یہاں عالیشان عمارتیں، شاہی محلات، اُمراء کے شاندار قصر، قلعہ، باغات اور مساجد وغیرہ چار سال کے عرصے میں یعنی ۸۳۶ھ م ۱۴۳۲ء میں

۱۔ فرشتہ۔

۲۔ برہان ماثر۔ لیکن فرشتہ نے احمد آباد لکھا ہے جو غلط ہے۔

۳۔ ان عمارات کے مفصل حالات احمد شاہ کے زمانے کا فن تعمیر" میں بیان کیے گئے ہیں۔

۴۔ تاریخ فرشتہ اور منتخب اللباب جلد سوم مولفۂ خافی خاں میں ۸۳۲ھ م ۱۴۲۹ء ہیں۔

تیار ہوگئے۔ زمین کی صلاحیت اور اس کے قدردان کی قابلیت سے ہر طرف گل و گلزار نظر آنے لگا۔ صنعت و حرفت و پیداوار میں بیحد ترقی ہوئی اور باخدا سلطان کی بیدریغ فیاضیوں کی بدولت دنیا کے ہر گوشہ سے ملک میں علماء، فضلاء اور ہر قسم کے ہنرمند جمع ہوگئے۔

تذکرۃ الملوک مولفۂ ملا رفیع الدین ابراہیم بن نور الدین توفیق شیرازی میں لکھا ہے کہ "شہر محمد آباد میں جو اب شہر بیدر کے نام سے مشہور ہے سلطان احمد بہمنی سلطان فیروز کے قتل کے بعد تخت پر بیٹھا اور ہر طرف سے اطمینان حاصل کرکے اپنی جگہ منتقل ہوا۔ ایک روز شکار کے ارادہ سے حوالی بیدر میں گیا۔ ایک کتے نے خرگوش کا تعاقب کیا اور خرگوش نے پلٹ کر کتے کا مقابلہ کیا اور کتے پر غالب ہوا۔ یہ حال مشاہدہ کرکے آپ نے کہا کہ آب و ہوا اس زمین کی شجاع و دلیر بناتی ہے۔ کیونکہ خرگوش کتے پر غالب آیا ہے۔ اگر ہم اس جگہ شہر آباد کریں اور پایہ تخت قرار دیں تو جو آدمی یہاں پیدا ہوں گے اور اس آب و ہوا میں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) تبدیل پایہ تخت ہونا لکھا ہے۔ سلسلۂ آصفیہ جلد سوم تاریخ دکن حصۂ اوّل میں ۸۳۳ھ میں تبدیل ہونا تحریر ہے۔ ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد سوم سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۸۳۲ھ کا نہیں ہے بلکہ ۸۳۰ھ کا ہے۔ مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی نے اپنی کتاب "آثار قدیمہ بیدر" میں تبدیلی پایہ تخت کا سنہ ۱۴۲۹ء میں ہونا، فرشتہ اور منتخب الباب کے حوالے سے لکھا ہے۔ لیکن قلعہ کی عمارات کی تعمیر سنہ ۸۳۰ھ م ۱۴۲۶ء میں شروع ہوکر چھ سال کے عرصہ میں یعنی ۸۳۶ھ م ۱۴۳۲ء میں ختم ہونا لکھا ہے۔ فرشتہ نے بھی قلعہ کی عمارات کی تعمیر کا سنہ ۸۳۲ھ میں شروع ہوکر چار سال کے عرصہ یعنی ۸۳۶ھ م ۱۴۳۲ء میں ختم ہونا لکھا ہے۔ تعمیر کی ابتدا کا جو سنہ سررشتہ تالیف و ترجمہ نے دیا ہے اس کی تائید مولوی غلام یزدانی صاحب کی کتاب سے بھی ہوتی ہے۔ لہذا ۸۳۲ھ کے بجائے ۸۳۰ھ کو صحیح تصور کرنا چاہیئے لیکن یہ تبدیل پایۂ تخت کا صحیح سنہ نہیں ہے۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے انتظامات سلطنت

نشو و نما پائیں گے وہ یقیناً شجاع اور بہادر ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ چونکہ شہر حسن آباد میں سلطان فیروز شاہ کا قتل واقع ہوا ہے اس لیے حسن آباد کو پایہ تخت قایم رکھنا مبارک نہ ہوگا۔ پس ساعت نیک معلوم کر کے محمد آباد میں شہر کی بنیاد ڈالی گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں شہر تیار ہوا اور بادشاہ نے اپنی زندگی یہاں عیش و کامرانی سے گذاری۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تخت نشین ہونے کے بعد ہی ۸۲۵ھ م ۱۴۲۲ء میں بیدر کو آباد کر کے پایہ تخت قرار دیا اور بھائی کے قتل کی بدنامی کی وجہ سے گلبرگہ سے پایہ تخت کو تبدیل کر کے بیدر میں منتقل ہوئے۔ بیدر کا قیام پسند آنیکے متعلق تذکرۃ الملوک نے جو قصہ بیان کیا ہے اس میں اس نے فرشتہ کی پیروی کی ہے۔ اس نے بجائے لومڑی کے خرگوش کا نام لکھا ہے۔ باقی قصہ ایک ہی ہے۔

برہان ماثر کے مولف علی بن عزیز اللہ طباطبائی مازندرانی نے لکھا ہے کہ آپ تخت نشینی کے دوسرے سال ماہ رجب میں یعنی رجب ۸۲۶ھ م ۱۴۲۳ء میں شہزادوں، امراء، وزراء اور تمام خدام و حشم کے ساتھ گلبرگہ سے پایہ تخت کو تبدیل کر کے تخت بیدر پر جلوس فرمایا۔ پایہ تخت کی تبدیلی کی وجہ اس نے یہ لکھی ہے کہ آپ نے بیدر کی بہترین آب و ہوا اور پُر فضا مقام دیکھ کر شہر آباد کیا جس کا نام محمد آباد بیدر رکھ کر دار السلطنت قرار دیا اور قلعہ اور دیگر عالیشان محلات و عمارات تعمیر کرائے۔ اس مولف نے بھی مقام بیدر اور اس کی آب و ہوا کی بہت تعریف کی ہے۔

تبدیلی پایہ تخت کی تاریخ اور واقعات میں مورخین کا اختلاف ہے۔ اوپر کے قصے تاریخ فرشتہ، منتخب اللباب جلد سوم مولفہ خافی خاں۔ تذکرۃ الملوک اور سلطان سوری میں

لے۔ کیمبرج ہسٹری کے مولف نے بھی تبدیل پایہ تخت میں برہان ماثر کی تائید کی ہے لیکن ستہ میں فرشتہ کی یعنی اس کا بیان ہے کہ آپ نے ۱۴۲۹ء میں بیدر کو پایہ تخت قرار دیا اور کئی سرویروں، معماروں اور مزدوروں کو طلب کر کے قدیم قلعہ کے باز و نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام محمد آباد بیدر رکھا۔

ایک دوسرے سے کسی قدر اختلاف کے ساتھ مذکور ہیں۔ اس قسم کے قصے دوسرے شہروں کے سلطان اُ
متعلق بھی مشہور ہیں۔ ان واقعات کی وجہ سے آپ جیسے اُولوالعزم بادشاہ کا تبدیل پایہ تخت　ولی بہمنی
کرنا خلاف قیاس اور غلط ہے اور نہ عقل اس کو تسلیم کرتی ہے۔ پس میری رائے میں　انتظامات
تبدیل پایہ تخت گلبرگہ بہ بیدر نظم ونسق اور سیاسی نقطہ نظر سے کیا گیا تھا۔ آپ کی اور
آپ کے پیشرو سلاطین کی فتوحات سے تقریباً تمام ملک دکن سوائے بیجا نگر کی چھوٹی
ریاست کے آپ کے زیر حکومت آگیا تھا۔ اب ملک کی وسعت نے یہ شکل پیدا کی کہ گلبرگہ
مرکز اور دارالسلطنت رہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ایسی حالت میں جو بھی لائق اور مدبر
بادشاہ ہوگا وہ اپنا دارالسلطنت ایسے مقام کو بنائے گا جو اس کے مقبوضہ ملک کے
بیچ میں واقع ہو جہاں سے ہر مقام پر عمدگی سے نگرانی اور انتظام سلطنت کیا جا سکے اور
ضرورت کے وقت آسانی سے فوجیں جنگ کے لیے روانہ کی جاسکیں۔ چونکہ آپ بھی ایک لائق اور مدبر بادشاہ تھے اس لیے
کسی حالت میں بھی آپ سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ آپ گلبرگہ کا پایہ تخت قائم رکھیں گے اور یہ تمام باتیں بیدر سے
پوری ہوسکتی تھیں۔ کیونکہ بیدر مملکت بہمنیہ کے بیچوں بیچ واقع تھا یعنی اس کے جنوب میں بیجانگر
مشرق میں اڑیسہ، شمال میں مالوہ وخاندیس اور مغرب میں گجرات کی سلطنتیں تھیں۔ اور یہاں سے
سلطنت کے ہر علاقے پر اچھی نگرانی ہوسکتی تھی۔ اس لیے آپ نے بجائے گلبرگہ کے بیدر کو
پایہ تخت بنایا جو بہت مفید اور کارآمد و کامیاب ثابت ہوا اور سلطنت بہمنیہ کے خاتمہ تک دارالسلطنت قائم
رہا اور جغرافیائی حالت کے لحاظ سے بھی سلطنت بہمنیہ کا پایہ تخت بیدر کو ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ بیدر
سطح سمندر سے ۲۳۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس کا عرض البلد شمالی ۱۷ درجہ ۴۵ دقیقہ ۵۷ ثانیہ اور
طول البلد شرقی ۷۷ درجہ ۳۲ دقیقہ ۱۲ ثانیہ ہے۔ کسی دوسرے مقام میں یہ باتیں نہیں پائی جاتی تھیں۔
اس لیے بیدر کو پایہ تخت بنانے کی ان حسب بالا وجوہ کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی۔
مورخین کی بیان کی ہوئی تمام روایات غلط معلوم ہوتی ہیں۔

سنہ تبدیلی پایہ تخت میں مجھے برہان ماثر کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ
سررشتۂ آثار قدیمہ حیدرآباد دکن میں آپ کے زمانے کا ۸۲۷ھ کا بیدر میں ضرب
کیا ہوا سکہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸۲۷ھ سے قبل یعنی ۸۲۶ھ میں بیدر کو

نا احمد شاہ پایہ تخت بنایا گیا تھا۔ لہذا فرشتہ، تذکرۃ الملوک وغیرہ کے دیئے ہوئے سنین بالکل غلط اور
بہنی کے برہان ماثر کا دیا ہوا سنہ صحیح ہے۔

ات سلطنت

باب پنجم

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی فتوحات

آپ قواعد لشکرکشی اور آئینِ فرماں روائی خوب جانتے تھے۔ بھائی کے ساتھ متعدد معرکوں میں شریک رہے تھے اور خود دست بہ شمشیر ہو کر دشمن سے میدانِ جنگ میں مقابلے کیے تھے۔ تمام پائین گھاٹ اور بالا گھاٹ۔ کرناٹک۔ تلنگانہ اور برار آپ ہی کی قوتِ بازو سے فتح ہوئے تھے۔ غرض آپ نہ صرف ایک دُور اندیش مدبّر اور بادشاہ ہی تھے بلکہ تجربہ کار اور ہوشیار سپہ سالار کے لحاظ بھی آپ کا درجہ بڑا تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ نے سلطنت کے اندرونی اور بیرونی انتظام اور استحکام کی طرف توجہ کی اور سلطنت کے ہر شعبے میں اصلاحات کر کے اس کی طرف سے اطمینان حاصل کیا اور اپنے پاکیزہ اخلاق اور رفق و ملاطفت سے خاص و عام کو مطیع و منقاد بنا کر ملک کو وسعت دینے کے لیے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ سلطنتِ بہمنیہ کو ہمیشہ سے سرحدِ گجرات کی طرف سے حملے کا خوف لگا رہتا تھا، اس لیے سلسلۂ فتوحات کو شروع کرنے سے قبل آپ نے سرحدِ گجرات کے اہم قلعوں پر اپنے معتبر امیروں کو قلعہ دار مقرر کیا۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد آپ ملک کے مختلف حصّوں سے کثیر لشکر اور جنگی ساز و سامان جمع کر کے فتوحات حاصل کرنے کے لیے ۸۲۶ھ م ۱۴۲۳ء کے آخر میں دارالسلطنت سے باہر نکلے۔

ن احمد شاہ بہمنی کی فتوحات

سلسلۂ فتوحات میں سب سے پہلے آپ[1] نے وجیانگر کی فتح کا ارادہ کیا کیونکہ دیورائے[2]

---

[1] - بہ موجب بیان فرشتہ، ہفت اقلیم اور کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم لیکن برہان مآثر کے مولف کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی فتوحات کی ابتدا فتح بیجانگر سے نہیں کی بلکہ فتح مہھور سے کی۔ یہ علاقہ پہاڑی تھا۔ وہاں کے لوگوں نے جب آپ کے لشکرکشی کی خبر سُنی تو وہ مقابلے کے ڈر سے پہاڑیوں اور جنگلوں میں بھاگ کر چھُپ گئے۔ شاہی لشکریوں نے ملک کو لوٹا۔ اس کے بعد آپ بہادر لشکریوں کے ساتھ مرہت تشریف لے گئے۔ اس علاقے کو فتح کرنے کے بعد آپ دارالسلطنت کو واپس تشریف لے گئے۔

ان دونوں جنگلوں کا ذکر کسی مورخ نے بیان نہیں کیا ہے۔ شاید یہ معمولی ہونے کی وجہ سے مورخوں نے ان کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔ اس کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ مہھور کہاں واقع ہے۔ مرہت سے مُراد علاقۂ مرہٹواڑی ہے۔

برہان مآثر کی روسے آپ نے ۸۱۹ھ م ۱۴۲۵ء میں فتح قلعۂ کلم کے بعد بیجانگر کی فتح کے لیے ایک کثیر لشکر جمع کیا، اور شہر پر حملہ کر کے فتح حاصل کی۔ آپ کے بہادر سپاہیوں نے ملک میں قتل و غارت اور لوٹ مچائی۔ اس کے علاوہ اس علاقے کے کئی شہر اور قلعے بھی فتح کیے گئے۔ ان فتوحات سے کثیر مالِ غنیمت، قیدی، گھوڑے اور ہاتھی آپ کے ہاتھ آئے۔ اس علاقے کی مکمل فتح کے بعد آپ دارالسلطنت بیدر کو واپس تشریف لائے۔

فیروز شاہ کے آخری عہدِ حکومت میں والیٔ بیجانگر نے مسلمانوں اور سلطنتِ بہمنیہ کے ساتھ اس کے پریشانی کے زمانے میں جو کچھ کیا تھا وہ ایک ایک کر کے آپ کو یاد تھا اور اس داغ کو مٹا کر لوگوں کے دلوں میں سلطنتِ بہمنیہ کی وقعت و عظمت قایم کرنا بھی ضرور تھا۔ اس لیے بادشاہ ہونے کے بعد والیٔ بیجانگر کی بداعمالیوں کی سزا دینے کی غرض سے آپ نے اپنی فتوحات کی ابتدا فتح بیجانگر ہی سے شروع کی ہوگی۔ اور واقعات کے لحاظ سے یہی آپ کی پہلی جنگ بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا فرشتے کا قول صحیح اور برہان مآثر کا غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی تائید کسی تاریخ سے نہیں ہوتی ہے۔ فرشتے کی تائید کئی معتبر تواریخ سے ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ فرشتے نے مہھور اور مرہت کی فتوحات کو اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہو۔

[2] - فرشتے نے والیٔ بیجانگر کا نام دیورائے لکھا ہے لیکن کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم کے مورخ نے اپنی تحقیق میں اس کا نام ویرا دیجیا لکھا ہے لیکن عبدالرزاق سمرقندی کے سفرنامے سے فرشتے کی تائید ہوتی ہے۔

سلطان احمد ولی بہمنی کی فتح

راجہ وجیانگر نے آپ سے سرکشی شروع کی اور خراج دینے سے انکار کیا۔اس کے علاوہ فیروز شاہ کے زمانے کی گذشتہ جنگ میں اس کے ہاتھوں جس قدر زبردست نقصان بہمنیوں کو پہنچا تھا اس کا بدلہ لینا ضرور تھا۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں سلطنتِ بہمنیہ کی وقعت وعظمت قایم رہے۔پس چالیس ہزار سوار ہمراہ لے کر وجیانگر کی طرف روانہ ہوئے۔ دیو رائے راجۂ وجیانگر کو پہلا واقعہ یاد تھا۔اس نے بھی اپنا خوب بندوبست کیا اور رائے ورنگل (تلنگانہ) کی مدد سے مقابلے میں آیا۔اس کے ساتھ دس لاکھ فوج تھی جو پیادہ توپچی اور کمانداروں پر مشتمل تھی۔دونوں فوجیں دریائے تنگ بھدرا کے کنارے ایک دوسرے کے سامنے اُتریں اور دیورائے کی فوج نے بہمنی لشکر کو چوری اور قتل سے تنگ کرنا شروع کیا۔اس لیے آپ نے اپنے لشکر کے گرد رومیوں کے قاعدے کے موافق دو ہزار آتش خانوں کے راہے لگا کر مورچے بنائے، اور چالیس روز تک آپ وہاں لشکر کے ساتھ خیمہ زن رہے۔ آپ چاہتے تھے کہ دشمن دریا سے اُتر کر آپ کے لشکر پر حملہ آور ہو،اس واسطے آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ تلنگانے کے علاقے کو اور بیجانگر کے دیہات کو جو تنگ بھدرا کے اس طرف تھے خوب غارت کریں تاکہ دشمن غصہ ہو کر حملہ کرے۔مگر جب دشمن کی فوج نہ آئی تو آپ نے اُمراء کو طلب کر کے مشورہ کیا، اور سب نے مل کر قرآن شریف کی قسم کھائی کہ کل دریا کے پار اُتر کر حملہ کریں گے۔لیکن اس خبر کے مشہور ہو جانے سے پہلے آپ نے عالم خاں، لودی خاں، اور دلاور خاں سرداران لشکر کے ساتھ دس ہزار فوج لے کر نہایت پھرتی سے دریا پار کیا، اور دشمن پر حملہ آور ہوئے۔اس وقت اتفاقاً راجہ دیو رائے نیشکر کے ایک ملے میں سو رہا تھا۔یہ لوگ اتفاقاً اس طرف جا نکلے۔دیو رائے نے سمجھا کہ وہ قصداً اس کی طرف آرہے ہیں، اس لیے وہ بہت پریشان ہو کر ملے میں گھس گیا۔ ان لشکریوں نے اوّل نیشکر کھانے کے ارادے سے توڑا، اور ساتھ لے چلنے کے لیے دیو رائے کو ملے کا مالک سمجھ کر پکڑا جس نے اپنا بھیس بدل دیا تھا اور اس کے سر پر نیشکر کی مولی رکھوا کر اپنے ہمراہ لے چلے۔ راجہ کچھ نہ بولا، اس کو غنیمت سمجھا کہ جان بچی۔ تھوڑی دیر میں خبر اُڑی کہ آپ مع اپنی فوج کے دریا پار اُتر آئے ہیں اور راجہ غائب ہے۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی فتوحات

اس لیے اس کا لشکر تہ و بالا ہو گیا۔ اور سپاہی فوراً سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور شاہی فوج نے دیورائے کا مال و اسباب سمیٹنا اور قتل و غارت کرنا شروع کیا۔ اس فرصت میں دیورائے بھی بھاگ گیا اور دوپہر کو وہ اپنے ایک مصاحب امیر سے ملا۔ اس وقت اس نے تاج پہنا اور چترِ شاہی سر پہ رکھ کر اپنے کو اپنی فوج میں ظاہر کیا جس سے کچھ فوج جمع ہو گئی، مگر اس واقعہ کو اس نے فالِ بد سمجھا اور لڑنے کے بجائے اس نے مجبوراً بھاگ کر بیجانگر میں پناہ لی۔ اور آپ اپنی فوج کے ساتھ اس کے ملک میں گھس گئے اور مال و متاع پایا۔ اسی تاخت و تاراج کے دوران میں ایامِ نوروز آ گئے، اور مارچ ۱۴۲۳ء م ۸۲۶ھ میں لشکر کا قیام ایک پُر فضا مصنوعی تالاب (حوض) کے کنارے ہوا۔ آپ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن آپ چند سواروں کے ساتھ شکار کو نکلے اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑا کر لشکر سے چھ کوس کے فاصلے پر اکیلے نکل گئے۔ اور ساتھ کے رفیق بھی جو دو سو کے قریب تھے وہ بھی اِدھر اُدھر شکار کے پیچھے چلے گئے۔ دشمنوں کے پانچ ہزار سپاہی ایسے موقع کی تلاش میں مدت سے پھر رہے تھے، اور اس کے منتظر تھے کہ جب موقع پائیں آپ کو قتل کر ڈالیں۔ غرض وہ آپ کی تنہائی کی خبر سن کر گھات سے نکلے اور آپ کو پکڑنے کے لیے دوڑے۔ آپ انھیں پہچان کر سخت مضطرب ہوئے، مگر پھر بھی تجربہ کار بادشاہ تھے ایک طرف دور سے آپ نے ایک چار دیواری دیکھی جو کسی کسان نے اپنے جانور دوپہر کے وقت باندھنے کے لیے بنائی تھی، اس کی طرف رُخ فرمایا۔ کچھ دکنی خادم آپ کے ساتھ تھے۔ ابھی چار دیواری تک نہیں پہنچے کہ آگے نالہ آ گیا اور دشمن پیچھے سے آ پہنچے، خادم سب قتل ہو گئے، اور اب خود آپ کے قتل یا گرفتاری کی باری آ ئی تھی کہ یکایک وہ دو سو رفیق تیر انداز جو شکار کے پیچھے چلے گئے تھے اتفاقاً آ گئے، اور ان سے لڑنے لگے اس فرصت میں آپ چار دیواری تک پہنچ گئے۔ اب یہ رفیق بھی کچھ قتل ہو ہو کر آپ کے پیچھے لڑتے جھڑتے اسی چار دیواری میں آئے، اور وہاں مورچہ بندی کی۔ دشمن پانچ ہزار تھے اور یہ دو سو بھی نہیں رہے تھے، اور پھر بے سر و سامان، تھکے ماندے اور غیر محفوظ مگر اللہ اکبر کہہ کر مقابلے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ خصوصاً سید حسن بدخشی۔ میر فرخ بدخشی۔ میر علی سیستانی۔ میر علی کرد۔ عبداللہ کابلی۔ خسرو بیگ۔

خواجہ حسن اردستانی۔ خواجہ بیگ قلندر اور خواجہ قاسم صف شکن نے اس روز ایسی دادِ مردانگی دی کہ آپ ان کی تعریف کرتے رہے۔ غرض کہ سب نے مرنے مارنے پر کمر باندھی۔ بہت سے مسلمان مارے گئے تھے۔ اور اب دشمنوں نے دیوار توڑنی شروع کی جس کی وجہ سے پریشانی میں اضافہ ہونے لگا۔ مگر اسی اثنا میں ایک لشکری مسمی عبدالقادر بن عیسیٰ بن محمود بن عماد الملک سرسلحدار ان جو دو صدی منصب دار بھی تھا اس خیال سے کہ ملک بیگانہ ہے، آپ چند ہمراہیوں کے ساتھ شکار کے لیے تشریف لے گئے ہیں، کہیں دشمن آپ کو آنہ گھیر لیں۔ دو تین ہزار شاہی خاصہ خیل لے کر آپ کی تلاش میں نکلا اور دور سے یہ ہنگامہ دیکھ کر قریب آیا تو معلوم ہوا کہ دشمنوں نے آپ کو گھیرا ہے، اور اب پکڑا یا مارا چاہتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی فوراً ان پر حملہ کر دیا۔ گو پانچ سو آدمی مارے گئے، مگر عبدالقادر نے ایک ہزار دشمن سپاہ کو مار کر آپ تک پہنچ کر آپ کی جان بچائی اور دشمن شکست کھا کر بھاگ گئے۔

آپ عبدالقادر کی احتیاط اور عاقبت اندیشی کے باعث اس بلا سے نجات پا کر گویا از سرِ نو بادشاہ ہوئے۔ آپ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جس کے لاکھوں جان نثار موجود تھے ایک ہی یورش میں ایسی بلا میں گرفتار ہو جانا اور پھر ایسے ورطۂ ہلاکت سے صحیح و سالم بچ کر نکل آنا ایک عجیب واقعہ ہے۔ جان بچانے کے صلے میں آپ نے عبدالقادر کو برادرِ جان بخش یارِ حق گذار کا لقب اور خطاب خانِ جہاں اور منصب دو ہزاری دے کر سر لشکری و طرفداریٔ برار سے سرفراز فرمایا۔ اور اس کے بھائی عبداللطیف کو جو اس کے ہمراہ تھا خطاب خانِ اعظم مع منصب دو ہزاری دے کر طرفدار و سر لشکر تلنگانہ مقرر کیا۔ میر علی کرد کو لقب کا فرکش اور منصب ہزاری، قاسم بیگ کو لقبِ صف شکن اور منصب پانصدی اور کلھر[1] اس کی جاگیر میں دیا۔ عبداللہ کابلی کو منصب دار صدہ دے کر جنیر کا حاکم اور خواجہ بیگ کو خطاب قلندر خاں دے کر حسن آباد (گلبرگہ) کا داروغہ بنایا۔ اور چونکہ تیر اندازی سے اس وقت بہت فائدہ

---

[1] احمد نگر کے مغرب میں دکن کا مشہور تاریخی مقام ہے۔

ہوا تھا، اس لیے خواجہ حسن اردستانی اور خسرو بیگ اوزبک کو امیر صدہ مقرر کر کے شہزادوں کے استاد تیراندازی مقرر کیا۔ سید حسن بدخشی۔ میر فرخ بدخشی۔ میر علی سیستانی۔ حسن خاں۔ فرخ خاں اور علی خاں کو خطابات اور سہ صدی منصب دے کر خوش کیا۔ غرض آپ نے اس وقت نہایت فیاضی کے ساتھ خطابات۔ انعامات اور جاگیرات دیں اور شہزادوں اور اُمراء کی اولاد کو حکم دیا کہ وہ تیراندازی کی تعلیم حاصل کریں۔ اور خلف حسن بصری ملک التجار کو حکم دیا کہ عراقی۔ خراسانی۔ ماوراالنہری۔ رومی اور عربی تین ہزار تیرانداز ملازم رکھے جائیں۔

(حاشیہ: ...ان احمد شاہ ...ہمنی کی فتوحات)

غرض کہ جب آپ کو اس بلا سے نجات ملی تو آپ نے اپنی تمام فوج لی اور نہایت احتیاط اور سختی کے ساتھ بیجانگر کا محاصرہ کر لیا اور راجہ کو ایسا تنگ کیا کہ وہ مجبور ہو گیا۔ اور صلح کے شرایط ٹھیرا کر تمام پچھلا اخراج۔ نفیس اور گراں بہا ہدیے اور طرح طرح کے تحفے اپنے خاصے کے تیس ہاتھیوں پر لاد کر اپنے چھوٹے بیٹے[1] کے ہمراہ نقارہ سرنا وغیرہ باجے بجا کر بھیجا۔ جب اس طرح راجہ کا بیٹا آیا تو اُمراء نے اس کا استقبال کیا اور آپ نے اس سے بغل گیر ہو کر اپنے پاس تخت کے قریب بٹھایا، اور خلعت۔ کمر بند۔ خنجر مرصع۔ عربی اور ترکی گھوڑے۔ پانچ چیتے۔ لو شکاری کتے اور تین باز عنایت کیے جو کرناٹکیوں نے کبھی دیکھے نہ تھے۔ اور دریائے کرشنا تک لا کر اسے رخصت کیا اور خود اپنے دارالسلطنت کو واپس تشریف لے گئے۔ آپ اپنے ساتھ بہت سے قیدی لائے جن میں سے دو نام فتح اللہ[2]

---

[1]۔ فرشتہ نے اس کا نام نہیں دیا ہے۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم میں اس کا نام دیو رائے لکھا ہے۔

[2]۔ یہ ذات کا ہندو اور راجایانِ بیجانگر کی اولاد میں تھا۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم میں اس کو ایک برہمن کا لڑکا لکھا ہے جو غلط ہے۔ جنگ میں اسیر ہو کر آنے کے بعد آپ نے اس کو مسلمان کیا اور اس کا اسلامی نام فتح اللہ رکھا۔ اور خانِ جہاں سپہ سالار و طرفدار برار کو بہ طور غلام کے دے دیا۔ اس نے اس کی اچھی طرح سے پرورش کی۔ خوب پڑھایا، لکھایا، اور حُسنِ قابلیت کو دیکھ کر اپنا معتمد بنایا۔ لیکن جب وہ مر گیا تو یہ سلاطین بہمنیہ کے غلاموں میں شامل ہو گیا اور محمود گاواں کے طفیل عماد الملک کا خطاب اور برار کی طرفداری اور سرلشکری مل گئی تھی ۸۸۹ھ م ۱۴۸۴ء میں وہ مطلق العنان ہو کر "سلطنتِ عماد شاہیہ" برار کا بانی ہوا جو ۹۸۴ھ م ۱۵۷۲ء تک قایم رہی۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی فتوحات

اور حسن[1]۔ تاریخ دکن میں اب تک زندہ ہیں۔

تلنگانے کے راجہ نے آپ کے خلاف بیجانگر کے راجہ کو مدد دی تھی، اس لیے آپ نے ایک کثیر فوج جمع کرنے کا حکم دیا اور ٨٢٥ھ م ١٤٢٢ء میں خود اس لشکر کثیر کے ساتھ تلنگانے پر حملہ آور ہوئے۔ برہان ماثر کے مولف نے لکھا ہے کہ تلنگانے کے لوگ آپ کے آنے کی خبر سن کر اپنے مکانات اور قلعے چھوڑ کر بھاگ گئے اور آپ نے ملک تلنگانہ کی آخری سرحد پر

---

[1] یہ احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کا بانی تھا۔ اصل میں یہ ذات کا برہمن تھا، اس کے اجداد پاتری علاقۂ برار کے پٹواری تھے۔ قحط سالی کے زمانے میں وہ اپنا وطن چھوڑ کر بیجانگر چلا گیا تھا۔ وہاں گدائی یا ملازمت پر اپنی گذر اوقات کرتا تھا یہ اسیروں میں گرفتار ہو کر آپ کے پاس آیا۔ اس کا نام تیما بھٹ تھا، مگر آپ نے اس کو جو حسین اور نو عمر تھا اپنے غلاموں میں شامل کر کے اس کا نام حسن رکھا۔ اپنے بیٹے محمد خاں کے ساتھ مکتب میں شریک کیا۔ اس نے تھوڑے دنوں میں فارسی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ یہ ہمیشہ شہزادوں کی صحبت میں رہنے لگا۔ شہزادۂ محمد خاں جب چھوٹا تھا تو اس نے حسن بن بہریہ کے بجائے بہ تغیر لہجہ حسن بحری کہا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے القاب و خطابات میں اضافہ ہونے لگا۔ محمد شاہ بن ہمایوں شاہ بہمنی نے اس کو نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کر کے منصب ہزاری، نقارہ اور ماہی مراتب بھی عطا فرمایا تھا اور خواجہ جہاں عمادالدین محمود گاواں نے اس کو سرلشکر اور طرفدار تلنگانہ مقرر کیا تھا۔ خواجہ جہاں کے قتل کے بعد یہ اس کا قایم مقام ہوا، اور خطاب ملک نایب اور منصب سرلشکر سے بھی سرفراز کیا گیا۔ سلطان محمود شاہ بن محمد شاہ بہمنی کے زمانے میں وکیل السلطنت ہوا۔ آخر یہ اسی بادشاہ کے زمانے میں قتل ہوا، اور اس کے بیٹے احمد نے ٨٩٦ھ م ١٤٩٠ء میں سلطنت نظام شاہیہ احمد نگر میں قایم کی جو اس کے خاندان میں تقریباً ١٠١٦ھ م ١٦٠٧ء تک قایم رہی۔

سلطان احمد شاہ کی فتوحات

بھیج کر قلعہ مندل اور ورنگل پر قبضہ کیا جو اس علاقے کے خاص قلعے تھے۔ دیورکنڈہ[1] اور راج کنڈہ کے راجاؤں نے آپ کے لشکر سے ڈر کر آپ کے ہاں اپنے قاصد روانہ کرکے اطاعت قبول کی، اور کئی قیمتی تحایف بھیج کر خراج دینا منظور کیا۔ آپ ان پر رحم فرما کر دارالسلطنت بیدر واپس تشریف لے گئے۔ اس حملے کے متعلق فرشتے کا بیان ہے کہ آپ نے ورنگل کے راجہ پر چڑھائی کی اور خود گولکنڈے میں آکر ٹھیر گئے اور خانِ اعظم عبداللطیف طرفدار بیدر کو تلنگانے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ تلنگانے کا راجہ سات ہزار تلنگی سپاہیوں کو لے کر مقابلے کے لیے نکلا اور اپنے کُل آدمیوں سمیت مارا گیا۔ خانِ اعظم عبداللطیف نے تلنگانے کے پایۂ تخت ورنگل پر قبضہ کرلیا۔ خانِ اعظم کی روانگی کے ایک مہینہ بیس روز بعد آپ نے بھی گولکنڈے سے تلنگانے کی جانب کوچ کیا۔ راستے میں آپ کو ورنگل کی فتح کی خبر ملی، آپ ورنگل گئے اور وہ عظیم الشان خزانہ جس کو فرماں روایانِ ورنگل نے مدتوں سے جمع کیا تھا جس پر سلطان محمد تغلق کا بھی قبضہ نہ ہوسکا تھا آپ کے قبضے میں آگیا۔ آپ نے دس بڑے ہاتھی بیس چھوٹے ہاتھی اور ایک ہار جڑاؤ اور چار مروارید کی تسبیحیں اور چالیس ہزار دینار نقد خانِ اعظم کو عنایت کرکے دوسرے مشہور شہروں کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ اور خود ورنگل میں قیام فرمایا۔ خانِ اعظم تین چار مہینے میں تمام مشہور شہروں پر قبضہ کرکے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس دفعہ بھی آپ نے انھیں شاہی نوازشوں سے سرفراز فرما کر باقی ماندہ ممالکِ تلنگانہ کے قلعوں کی فتح کے لیے روانہ کیا اور خود دارالسلطنت تشریف لے گئے۔

اس فتح کے ایک سال بعد ۸۲۹ھ م ۱۴۲۵ء میں آپ نے قلعہ ماہور[2] کی فتح کا ارادہ کیا۔

---

[1] دیورکنڈہ ضلع نلگنڈہ میں اب تک تعلقے کا مستقر ہے یہاں کا قلعہ پہاڑ پر بنایا گیا تھا جو آج کل ویران اور خستہ حالت میں ہے۔

[2] ماہور جنوبی برار میں پان گنگا کے کنارے نہایت مستحکم اور مرکزی مقام ہے، جہاں کا قدیم قلعہ اب تک موجود ہے۔

اس کے متعلق بھی فرشتہ اور برہان مآثر میں اختلاف ہے۔ برہان مآثر کی روایت کے مطابق سلطان احمد
قلعۂ ماہور دکن کا ایک بہت مضبوط اور مشہور قلعہ تھا۔ اس کو فتح کرنے کے لیے آپ ایک کثیر فوج ولی بہمنی کی فوج
کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ کی فوجوں نے قلعے کا محاصرہ کیا، اور جو کچھ بھی ملا لے لیا۔ جب
محاصرے نے طول کھینچا تو آپ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جانا
بہتر ہے، پس آپ اپنی فوج کے ساتھ دارالسلطنت بیدر واپس تشریف لے گئے۔ پھر
اس کے ایک سال کے بعد ۸۳۰ھ م ۱۴۲۶ء میں قلعۂ ماہور پر ایک کثیر فوج کے ساتھ
حملہ آور ہوئے، وہاں کے لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے اپنی فوج کو انتہائی کوشش
کے ساتھ قلعے پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم کے بہ موجب بہادر سپاہی۔ تیر کمان۔ تلوار
اور نیزوں سے جان توڑ کر لڑے اور قلعہ (خدا کی تائید و مہربانی، اور آپ کی اقبال مندی
اور سپاہیوں کی جان توڑ کوشش سے) فتح ہوا، جس کو آپ سے قبل کوئی بادشاہ فتح
نہ کر سکا تھا۔ فرشتے کا بیان ہے کہ آپ نے قلعۂ ماہور پر لشکر کشی کی جو کچھ زمانے سے بہمنیوں کے
ہاتھ سے نکل کر ایک زمیں دار کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ اگرچہ آپ نے قلعے پر صلح و امان
کے ساتھ قبضہ کیا، لیکن پھر بھی اس زمیں دار کے پانچ چھ ہزار آدمی اس جنگ میں
کام آئے۔ برہان مآثر کی روایت بہ نسبت فرشتے کی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

فتح قلعۂ ماہور کے بعد اسی سال آپ شمال میں قلعۂ کلم[1] کی طرف بڑھے، جو ایک باغی
گونڈ کے قبضے میں تھا۔ یہ قلعہ ایک ہی حملے میں فتح ہو گیا۔ فتح کے بعد آپ نے وہاں کئی مسجدیں
تعمیر کرائیں اور ان میں موذن امام مقرر کر کے مساجد میں روشنی کا معقول انتظام کرایا۔
بہ قول فرشتہ آپ نے قلعۂ کلم پر قبضہ کر کے الماس کی کان کو جو حاکم گونڈوانہ کے
تحت تھی حاصل کی۔ برہان مآثر کا بیان ہے کہ آپ نے قلعۂ کلم اور ماہور کو ایک ہی یورش میں
فتح کیا جن کو فتح کرنے کی آپ سے پہلے کسی بادشاہ کو توفیق نہیں ہوئی تھی۔

---

[1] کلم جنوب مشرقی برار کا مشہور تاریخی قلعہ ہے ایک زمانے میں ضلع کا صدر مقام تھا لیکن اب
(ضلع ایوت محل میں) ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔

احمد شاہ کی فتوحات

اس کے بعد تقریباً ایک سال تک آپ نے ایلچپور[1] میں قیام کر کے قلعۂ گاویل[2] کو از سر نو بنایا، اور قلعۂ نرنالہ[3] کی مرمت کی۔ یہ دونوں قلعے گجرات، مالوہ اور خاندیس کی سرحد پر واقع تھے۔ اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ مالوہ، خاندیس اور گجرات کو فتح کریں، جنھیں امیر تیمور نے آپ کے بھائی فیروز شاہ بہمنی کو عطا کیے تھے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد آپ کا خیال راجۂ بیجانگر کا معقول تدارک کرنے کا تھا جو ہمیشہ تنگ کیا کرتا تھا۔

جب یہ خبر ہوشنگ شاہ[4] والیِ مانڈو (مالوہ) کو معلوم ہوئی تو اس نے ۸۳۳ھ م ۱۴۲۸ء میں نرسنگ والیِ کہیرلا[5] کو جو سلطنت بہمنیہ کا باجگذار تھا اپنی اطاعت کے لیے لکھا، اور جب اس نے نہ مانا تو والیِ خاندیس کی رائے سے دو مرتبہ اس پر حملہ کیا، اور دونوں مرتبہ شکست کھا کر بھاگا، اور اپنی ناکامیوں سے غصے میں آکر تیسری مرتبہ ایک بڑا جرار لشکر اپنے معتمد امرا کے تحت روانہ کیا۔ ان امیروں نے نرسنگ کے ملک کو تباہ و ویران کر کے بہت سے پرگنوں اور قریوں پر قبضہ کر لیا۔ نرسنگ نے اور زیادہ فوج جمع کرنی شروع کی۔ یہ خبر معلوم کر کے ہوشنگ شاہ خود اپنی باقی فوج کے ساتھ آیا،

---

[1] ایلچپور، برار کا مشہور تاریخی مقام ہے۔ بہمنی سلاطین نے یہاں ایک دار العلوم قایم کیا تھا، لیکن اب ویران پڑا ہے۔

[2] گاویل، برار کا بہت مستحکم قلعہ تھا، اب ضلع امراوتی میں ویران پڑا ہے۔

[3] نرنالہ شمالی برار کا ایک اور وسیع و مستحکم قلعہ تھا۔ اب اکولا کے ضلع میں واقع ہے، لیکن ویران ہو جانے کے باوجود یہاں مسلمان بادشاہوں کی بہت سی یادگاریں سلامت ہیں۔ خاص کر آب رسانی کے حوض اور زمین دوز نل نہایت ہنرمندی سے بنائے گئے تھے اور ان کے بعض حصے اب تک محفوظ ہیں۔ (از حواشی تاریخ مترجمۂ فرشتہ جلد سوم مولفۂ سید ہاشمی صاحب)۔

[4] فرشتہ، لیکن برہان مآثر نے اس بادشاہ کا نام الپ خاں لکھا ہے اور مانڈو مالوہ کا تاریخی شہر ہے۔

[5] کہیرلا، برار کے شمال میں شہر بیتول کا مشہور قلعہ تھا۔

اور حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ راجہ نے آپ کے پاس ایلچی کے ذریعے عرضداشت[1] روانہ کی کہ سلطان احمد ہوشنگ شاہ والیٔ مالوہ کثیر لشکر کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا ہے اور وہ سلطان فیروز شاہ ولی بہمنی کی فرمان مطیع ہوا تھا اس لیے سب لوگ اس کو آپ کا باجگذار جانتے ہیں۔ پس امداد اور معاونت کرنے میں کسی طرح کا پس و پیش نہ کرکے جلد مدد کی جائے۔ آپ نے اسی وقت عبدالقادر[2]

---

[1] فرشتہ۔ اس کے برہان مآثر کا بیان ہے کہ کلم فتح کرنے کے بعد آپ بیجانگر کی فتح کے لیے روانہ ہوئے اور جب بیجانگر فتح کرکے بیدر واپس تشریف لائے تو آپ کو نرسنگ والیٔ کہیرلا کی عرضداشت ملی جس میں آپ کی اطاعت اور فرماں برداری کا اقرار کرکے لکھا تھا کہ آپ اس کی مدد کرکے اس کو اس کے ملک والوں کو سرفراز فرمائیں۔

[2] فرشتہ۔ لیکن برہان مآثر کے بہ موجب عبدالقادر خان جہاں کو روانہ نہیں کیا گیا بلکہ آپ نے نرسنگ کی عرضداشت سے مطلع ہوکر ایک کثیر لشکر کے جمع کرنے کا حکم صادر فرمایا اور بہ موجب حکم ممالک محروسہ سے اطراف واکناف سے امراء، وزراء، شہزادے اور سپہ دار اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاضر دربار ہوئے۔ آپ خود ایک کثیر لشکر کے ساتھ کہیرلا کی طرف روانہ ہوکر اس کے نواح میں قیام فرمائے تو اس وقت آپ کو اطلاع ملی کہ نرسنگ نے آپ سے عہد شکنی اور بے وفائی کرکے الپ خاں والیٔ مالوہ سے مل گیا ہے اور معاہدہ کیا ہے کہ اگر وہ اس کی مدد کے لیے اس کی سرحد پر آئے گا تو وہ اس کو ایک لاکھ تنکہ دے گا پس الپ خاں سلامی قوانین اور ایمان کو بھول کر اس کی مدد کے لیے ایک کثیر فوج کے ساتھ روانہ ہوکر کہیرلا میں پہنچا تو آپ مصلحتاً دو تین منزل اپنے ہی علاقے میں ہٹ آئے، اس خیال سے کہ اگر الپ خاں بھی مسلمانوں سے لڑنے کے بجائے لوٹ جائے تو مسلمانوں کی جانیں اور جائیدادیں یقینی طور پر بچ جائیں گی۔ اگر وہ وسوسۂ شیطانی سے دھوکا کھا کر ملکِ دکن پر چڑھ آئے گا تو واپس آکر آپ اپنی تلوار سے ایسے خیال کو اس کے دماغ سے نکال دیں گے۔ جب امراء، روساء اور سپاہ آپ کے اس ارادے سے آگاہ ہوئے تو ان سب نے دشمن کے سامنے سے واپس ہوجانے کے متعلق آپ سے یہ عرض کرنے کی جرأت کی کہ آپ کا لوٹ جانا دشمن کے لیے باعثِ جسارت ہوگا، اس لیے بہتر ہے تھوڑی دیر ٹھیر کر ممکنہ کوشش کے ساتھ الپ خاں کا مقابلہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ دشمن کو شکست ہوجائے۔ آپ ان کے معروضے پر التفات نہ کرکے اپنی مملکت کی طرف واپس تشریف لائے۔ جب اس کی خبر الپ خاں کو ملی تو وہ اس کو آپ کے خوف پر محمول کرکے آپ کے تعاقب میں نکلا۔

احمد شاہ کی فتوحات

سرلشکر وطرفدار برار کو حکم دیا کہ لشکر جمع کرکے نرسنگ کی مدد کی جائے اور خود بھی چھ ہزار سواروں کے ساتھ سیر وشکار کرتے ہوئے ایلچپور تشریف لے گئے۔ ہوشنگ شاہ نے قتل وغارت کے بعد کھیرلا کا محاصرہ کیا۔ آپ دو مہینے تک بغیر مقابلے کے ایلچپور میں مقیم رہے، ہوشنگ شاہ نے اس کو آپ کی کمزوری پر محمول کرکے لاف وگزاف کرنا شروع کیا، آپ یہ خبر سنکر ایلچپور سے کھیرلا تشریف لے گئے، مگر ملا عبد الغنی صدر اور نجم الدین مفتی وغیرہ علماء نے جو آپ کے ساتھ تھے آپ کو جنگ پر آمادہ دیکھ کر کہا کہ اب تک شاہانِ بہمنیہ نے مسلمانوں سے جنگ نہیں کی، اس میں بڑی بدنامی ہے، لوگ کہیں گے کہ ایک غیر مسلم کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ کی۔ آپ پر علماء کے اس کہنے کا بہت اثر ہوا، اور مسلمانوں سے لڑنا مناسب نہ سمجھ کر اپنی فوجیں ہٹالیں[۱] اور ایلچی بھیج کر ہوشنگ شاہ سے کہلا بھیجا کہ نرسنگ ہمارا باجگذار رہے، اس سے پرخاش نہ کیجئے تاکہ ہم اور آپ دونوں مسلمان آپس میں نہ لڑیں لیکن ہوشنگ شاہ نے اس کو آپ کے عجز پر محمول کرکے اور یہ سمجھ کر کہ آپ کا لشکر پندرہ ہزار ہے[۲] اور اس کے ہمراہ تیس ہزار سوار ہیں آپ کا تعاقب[۳] اس طرح کیا کہ جس منزل سے آپ کوچ کرتے تھے وہ اس مقام میں فروکش ہوتا تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ اس طرح کام بگڑتا ہے تو آپ نے علماء[۵] کو طلب کیا اور ان سے فرمایا کہ میں آپ کے فتوے شریف پر جہاں تک ممکن تھا

۱، ۲، و ۳ یہ واقعات فرشتے میں مذکور ہیں، برہان مآثر میں نہیں۔

۴- فرشتہ اور برہان مآثر میں یہ واقعہ اسی قدر اضافے کے ساتھ ہے کہ آپ کو اپنے علاقے میں دو تین منزل طے کرنے کے بعد ایلچیوں نے اطلاع دی کہ الپ خاں اس طرح شاہی لشکر کا تعاقب کررہا ہے اور لشکرِ اسلام سے جنگ کا اصرار کرتا ہے۔

۵- فرشتہ۔ مگر برہانِ مآثر نے اس کو اس طرح پر لکھا ہے:۔ آپ نے مشایخ، علماء اور فضلاء کو طلب کرکے دریافت فرمایا کہ "جب کبھی ایک مسلمان بادشاہ ایک غیر مسلم کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ کرے تو اس سے مقابلہ کرنا از روئے شریعت جایز ہے یا نہیں"۔ علماء نے جواب دیا کہ غیر مسلموں کے حمایتیوں سے لڑنا بہ منزلہ جہاد کے سب پر ایسا واجب ہے جیسا کہ ایک

عمل کیا اور جو بے غرضی اب تک برداشت کی رہ بہت ہے۔ اب میرا ارادہ ہے کل یہاں سے سلطان احمد
کوچ کر کے دریائے تاپتی[1] کے کنارے جا کر مقیم ہو جاؤں جو میری ریاست کی سرحد ہے ولی بہمنی کی
اور جو شخص بلا امتیاز مذہب و ملت وہاں میرے مقابل آئے گا میں اس سے لڑوں گا،
ظاہر ہے کہ میں بھی مسلمان فرمانروا ہوں، کوئی مسلمان حریف زبردستی میرے مقابل میں آئے تو
خود وہ حریف خدائی باز پرس کا باعث ہوگا نہ کہ میں۔ ایسے معرکہ میں مسلمانوں کے خون کا
وبال اس کی گردن پر ہوگا نہ کہ میری" علماء نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔ آپ نے
دوسرے دن اپنی فوجوں کو آراستہ کیا اور چار سو جنگی ہاتھی جو جنگ آزما اور مست تھے
جا بجا متعین کئے، اور شاہزادہ علاء الدین کو چترِ سیاہ دے کر قلب میں اور میمنہ[2] پر
خان جہاں عبدالقادر کو اور میسرہ پر عبداللہ خاں نبیرہ اسمٰعیل مغ کو کھڑا کیا، اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) دین دار مسلمان کی مدد اور تائید کرنی۔" آپ نے علماء سے فتوے حاصل
کرنے کے بعد اُمراء اور سپہ داروں سے فرمایا کہ واپسی سے میرا منشاء یہ تھا کہ الپ خاں
ایک مسلمان بادشاہ ہے، ہمارے لیے جو ہم مسلمان ہونے کا دعوے کرتے ہیں جائز نہیں ہے کہ
جنگ میں مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مقابلے میں سبقت کریں۔ جو ایسا کرتا ہے وہ خدا کا
گنہگار ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من انقظہا اس لیے ہم اپنے
مُلک کی طرف لوٹے تھے کہ اگر الپ خاں ہمارے علاقے میں داخل ہوگا تو ہم اس کے ساتھ جنگ میں
سبقت کی تحریک کرنے والے نہیں ہوں گے، کیونکہ اب جب کہ وہ جسارت کر کے ہمارے
مُلک میں آیا تو ہم پر اس کی تنبیہ کرنی لازمی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے لشکر میں تشریف
لے جا کر اپنی فوجوں کو بہادری وجواں مردی سے لڑنے کی ترغیب و تحریص دے کر انھیں
دشمن کے مقابلے میں آراستہ کیا۔

[1] ۔ فرشتہ، برہان مآثر اور دیگر تواریخ سے اس دریا کے نام کا پتہ نہیں چلتا۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا
جلد سوم میں اس دریا کا نام تاپتی لکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کا مآخذ کونسی تاریخ سے ہے۔

[2] ۔ یہ تفصیل فرشتے نے دی ہے لیکن برہان مآثر میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

ناصر شاہ کی فتوحات

آپ نے خود دو ہزار[1] منتخب سپاہ اور بارہ جنگی ہاتھیوں کو ساتھ لے کر بائیں جانب کمین گاہ میں قیام کیا۔ لڑائی شروع ہوئی، ہوشنگ شاہ پہلے ہی گھمنڈ میں تھا، یہ نہ معلوم تھا کہ آج دوسری حالت ہے، وہ سترہ ہزار آدمیوں سے بڑھا چلا آیا۔ آپ نے کمین گاہ سے خود دو ہزار مسلح آدمیوں اور بارہ جنگی ہاتھیوں سے اس کا شدید مقابلہ کیا۔ مالوی فوجیں نہایت بہادری سے لڑیں، لیکن آخر میں ہوشنگ شاہ سخت شکست کھا کر بھاگا۔ رائے کہیرلا[2] محاصرے سے نکلا اور تعاقب کر کے اس کو راستے میں اور بھی غارت کیا۔ اس وقت ہوشنگ شاہ کے اہل و عیال اور دو سو جنگی ہاتھی آپ کے ہاتھ آئے۔ آپ کو مسلمانوں کی اس خونریزی کا بے حد رنج ہوا۔ آپ نے ہوشنگ شاہ کے اہل و عیال کی بے حد عزت اور خاطر داری کی اور انھیں نہایت اعزاز سے اپنے پانچ سو معتبر سواروں[3] اور خواجہ سراؤں کے ہمراہ ہوشنگ شاہ کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد نرسنگ[4] مع اپنے بیٹوں کے آپ کی خدمت میں

---

[1] فرشتے میں اس فوج کی تعداد دو ہزار سوار اور بارہ ہاتھی لکھی ہے۔ لیکن برہان مآثر میں لکھا ہے کہ آپ کے ساتھ ڈھائی ہزار زرہ پوش نیزہ باز سوار تھے۔

[2] یہ تفصیل فرشتے نے دی ہے۔ برہان مآثر کی دی ہوئی تفصیل اس سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، اس لیے بیان نہیں کی گئی۔ نرسنگ کے محاصرے سے نکل کر شاہ مالوہ کے تعاقب کرنے کا ذکر برہان مآثر میں نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ جنگ صبح سے شام تک جاری رہی۔ الپ خاں اور اس کی فوجوں نے جان توڑ کوشش کی، مگر انھیں شکست ہوئی اور وہ ہاتھی گھوڑے بارگاہ خیمہ سرا پردہ خواب گاہ حرم، خدام اور تمام لوازمات شاہی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ آپ کی فوج الپ خاں اور اس کی فوج کا تعاقب کرنا چاہتی تھی، لیکن آپ نے اس کو منع فرمایا اور حاصل شدہ مال غنیمت کو اپنی افواج میں تقسیم کر دیا۔

[3] یہ تعداد ہفت اقلیم اور برہان مآثر کی دی ہوئی ہے۔ فرشتے نے تعداد نہیں دی ہے، لیکن واقعہ کو ایسا ہی بیان کیا ہے جیسا کہ ہفت اقلیم اور برہان مآثر نے۔

[4] یہ واقعہ فرشتے نے بیان کیا ہے، لیکن برہان مآثر اس کے بالکل خلاف لکھتا ہے کہ آپ نے

سلطان احمد ولی بہمنی کی...

حاضر ہو کر اپنے ساتھ کہیرلا لے گیا اور بڑی دھوم سے دعوت کی، اور گراں بہا ہدیئے اور تحفے آپ کی خدمت میں پیش کیے جس میں ایک من الماس، یاقوت، اور سچے موتی تھے۔ نرسنگ نے اُمراء کی بھی بہت خاطر و مدارات کی اور ماہور تک آپ کے ہمرکاب آیا اور ماہور سے شاہی خلعت سے سرفراز ہو کر مع اپنے بیٹوں کے کہیرلا واپس گیا، اور آپ اپنے دارالسلطنت کو واپس تشریف لے گئے۔

طبقات اکبری، ہفت اقلیم اور تاریخ مالوہ[1] میں اس جنگ کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ آپ نے قلعۂ کہیرلا کا محاصرہ کیا۔ رائے کہیرلا نے سلطان ہوشنگ کو اپنی مدد کے لیے اس شرط پر بلایا کہ وہ اس کے روزانہ خرچ کے لیے تین لاکھ تنکہ دیا کرے گا۔ جب ہوشنگ شاہ نزدیک پہنچا تو آپ قلعے کا محاصرہ چھوڑ کر تین منزل پیچھے ہٹے۔ ہوشنگ شاہ نے اس پر قناعت نہ کر کے تین منزل تک آپ کا تعاقب کیا اور آپ اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکے پلٹے جس کی وجہ سے ان دونوں بادشاہوں میں لڑائی ہوئی جس کا نتیجہ وہی ہوا جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) نرسنگ کے تمام علاقے پر ماہور تک قبضہ کر کے شاہزادہ محمود خاں کو جاگیر میں دے دیا۔ اور یہ علاقہ شاہزادے کے قید ہونے تک برابر اسی کے قبضے میں قایم رہا۔ آپ البحاں کی جنگ سے فارغ ہو کر بیدر تشریف لے گئے (از انگریزی ترجمہ برہان ماثر مترجمۂ میجر کنگ۔ برہان ماثر نسخۂ مولوی عبدالحق صاحب میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے وہاں کے الفاظ بالکل اُڑ گئے ہیں کچھ پڑھا نہیں جاتا اور اس کے بعد کے دو صفحات تو بالکل ہی سفید ہیں)۔

[1] تاریخ مالوہ کا حوالہ فرشتے نے دیا ہے۔

ان احمد شاہ ... فرشتے کا بیان ہے کہ آپ نے ۸۳۳ھ م ۱۴۲۹ء میں ملک التجار
ن کی فتوحات

لہ۔ اسی واقعہ کو برہان مآثر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فتح کلم کے بعد ۸۳۰ھ م ۱۴۲۶ء میں ملک التجار خلف حسن بصری کو ایک بہادر اور جرار فوج کے ساتھ کوکن روانہ کیا۔ خلف حسن بصری نے لشکر کے ساتھ کوکن اور بندرگاہوں میں جاکر کافروں کے مکانات اور عمارات کی بیخ کنی کی، اور ہر طرف لوگ اس کے حملے کی خبر سن کر پریشان پھرتے تھے۔ اس نے اس ملک کے کئی قلعے اور شہر فتح کیے اور اپنی بہادری اور نیک نامی کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔ آپ نے اس کو شاہانہ عنایات سے سرفراز فرمایا جس کی وجہ سے دکنی اس سے رشک وحسد اور مخالفت کرنے لگے لیکن ان میں اس کو نقصان پہنچانے کی قوت نہیں تھی اس لیے شاہانہ عنایات کی وجہ سے اس کی دولت میں اضافہ ہونے لگا اور اس نے ملک کوکن میں داخل ہوکر تمام قلعے، شہر، بندرگاہ اور پہاڑ فتح کر کے جزیرۂ مہائم پر بھی حملہ کر کے فتح کیا جو شاہان گجرات کے ماتحت تھا۔ وہاں کے باشندوں نے شاہِ گجرات سے شکایت کی اس لیے شاہ گجرات نے ایک کثیر فوج اپنے ولی عہد محمد شاہ کے تحت خلف حسن بصری کی بغاوت فرو کرنے کے لیے روانہ کی۔

آپ نے گجراتی افواج کی آمد کی خبر سن کر اپنے ولی عہد ظفر خاں (جنھیں علاء الدین کا خطاب دیا گیا تھا) کے تحت ایک کثیر فوج ملک التجار کی مدد کے لیے روانہ کی۔ ظفر خاں اپنی فوجوں کے ساتھ جزیرۂ مہایم کی خلیج کے کنارے پر قیام کیا، اور دوسرے کنارے پر محمد شاہ گجراتی اپنی فوجوں کے ساتھ ٹھیرا ہوا تھا، تھوڑے عرصے تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے دن تمام جنگ کے لیے تیار کھڑی رہتی تھیں، لیکن خلیج کو پار کر کے لڑنے کی کسی کی بھی جرأت نہ ہوئی تھی جب اس طرح ایک زمانہ گذر گیا تو دکنی امراء نے حسد کی وجہ سے جو انھیں غیر ملکیوں سے تھی شاہزادہ ظفر خاں سے کہا کہ جنگ میں لڑیں گے اور مریں گے تو ہم، لیکن نام خلف حسن بصری کا ہوگا۔ شاہزادہ

خلف حسن بصری کو طرفدار اور سپہ سالار دولت آباد مقرر کرکے اس کو سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نوجوان تھا تجربہ نہ رکھنے کی وجہ سے ان مکار دکنی امراء کی بے ایمانی اور بدخواہی کو نہ سمجھا، اور ان کی عیارانہ چالوں میں آگیا اور خلف حسن بصری کو نہایت پریشانی اور ذلت کی حالت میں چھوڑ کر اپنے لیے ایک بدنامی مول لی۔
جب گجراتی افواج کو اس سازش کی خبر ملی تو وہ اپنی فتح کا یقین کرکے خلف حسن بصری پر حملہ آور ہوئیں۔ خلف حسن بصری بغیر فوج کے اُن کے حملے کو روک نہیں سکتا تھا اس لیے اُس کو مہایم چھوڑنا پڑا، اور گجراتی افواج نے اُس کے لشکر کو لوٹا اور اس کے بھائی حسین بن حسن کو قید کرکے گجرات کی راہ لی۔
جب یہ خبر آپ کو ملی تو آپ نے خود جاکر دشمن سے بدلہ لینے کے لیے لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ پس بہ موجب حکم اُمراء اور سپہ سالار اضلاع، قلعوں، شہروں اور جاگیروں سے اپنی اپنی فاتح فوجوں کے ساتھ بیدر میں جمع ہوئے اور آپ نے اس کثیر لشکر کے ساتھ فتح گجرات کے لیے روانہ ہوکر قلعہ تہول پر جو دکن اور گجرات کی سرحد پر واقع تھا قیام فرمایا۔ آپ کے بہادر لشکر یوں نے قلعۂ تہول والوں کی رسد کو روکا اور قلعے کے محاصرے میں مشغول ہوئے۔ اس قلعے کا حاکم غیر مسلم تھا اس نے مضبوط قلعے کے زعم اور سلطان احمد گجراتی کی حمایت کی توقع پر جس کا وہ قدیم الایام سے مطیع و فرماں بردار تھا ایک خط اس مضمون کا اس کے پاس روانہ کیا کہ آپ گجرات کے راستے میں اس کے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ لکھا کہ اگر سلطان اپنی عنایت و مہربانی سے اس کو مہلک مصائب سے نجات دلائے گا تو وہ سالانہ ایک کثیر رقم شاہی خزانے میں داخل کیا کرے گا اس وجہ سے سلطان احمد گجراتی قلعہ تہول کے غیر مسلم حاکم کی امداد کے ارادے سے ایک کثیر لشکر کے ساتھ روانہ ہوکر ایک ہی منزل طے کرکے قلعہ تہول پہنچ گیا جب آپ کو دشمن کے آنے کی اطلاع ملی تو محاصرے سے ہاتھ اُٹھاکر اس کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ دونوں فوجیں دریا کے کنارے پہنچ کر ایک دوسرے کے مقابلے میں ٹھہریں، اور ان دونوں کے درمیان دریا ہی حائل تھا۔

ان احمد شاہ
نی کی فتوحات

قلعہ کوکن[1] کے باغیوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ اس نے تھوڑے عرصے میں کل مفسدین کا بہترین طریقے پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہر روز دونوں طرف کی فوجیں آراستہ ہو کر ایک دوسرے کے مقابل میں کھڑی ہوتی تھیں، اور دونوں طرف کے بہادر سپاہی دریا کو عبور کر کے لڑنا اور دادِ مردانگی حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن دونوں بادشاہ انھیں اس کی اجازت نہیں دیتے تھے اور مسلمانوں کی خونریزی پر راضی نہ ہوتے تھے یہاں تک کہ تقریباً ایک سال تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں جنگ کے خیال سے ٹھیرے رہے لیکن کسی نے بھی جنگ کی ابتداء نہیں کی جب ایک مدت اس طرح گذر گئی تو دونوں طرف کے علماء و فضلاء درمیان میں آئے اور انھوں نے اپنے وعظ اور نصیحتوں سے جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کیا، اور دونوں فرماں رواؤں میں صلح کرادی جس کی رو سے طے پایا کہ قلعہ بہول جو ایک زمانے سے گجرات کے قبضے میں تھا اب بھی اسی طرح اس کے گماشتوں کے ماتحت رہے گا۔ اور جو کچھ آپ کا ہے وہ آپ کے ماتحت رہے گا۔ اور چند روز بعد دونوں بادشاہوں میں معاہدہ صلح و دوستی ہو کر جھگڑے اور دشمنی کا خاتمہ ہوا جس کی رو سے طے پایا کہ وہ ملکی و دینی اور ملک و ملت کے دشمنوں کے دفع کرنے میں ایک دوسرے کے ممد و معاون رہیں گے اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے اور کافروں کے رسوم کے دفع کرنے میں وہ اپنی طرف سے کبھی کوتاہی نہ کریں گے۔ دونوں مسلمان فرماں روا شرایط صلح پر راضی ہو کر ایک دوسرے کو تحفے اور ہدیے بھیجے۔ اور تقریباً سو سال تک ان دونوں میں رابطہ دوستی و محبت قایم رہا اور سلسلۂ خط و کتابت اور تحایف بھی جاری رہا پس مستقل صلح کی گفت و شنید کے بعد آپ دارالسلطنت بیدر کی طرف روانہ ہوئے۔

تاریخ فرشتہ کے مولف نے اس جنگ کے جو حالات تاریخ محمود شاہی کے حوالے سے بیان کیے ہیں اس سے حسب بالا بیان کی تائید ہوتی ہے۔

[1] کوکن دریائے عمان کے ساحل پر واقع تھا۔

علاج کرکے ملک کو فتنہ و فساد سے پاک و صاف کر دیا۔ اور روپیہ اور اشرفیاں ہاتھیوں پر سلطان احمد لاد کر آپ کی بارگاہ میں گذرانیں۔ آپ نے اس کی کارگذاری سے خوش ہو کر اس کو خلعت خاص، ولی بہمنی کی قبا، کمر بند اور شمشیر مرصع مع دیگر شاہی عنایات کے سرفراز فرمایا جو کسی نے اپنے ملازم کو اس قدر عنایت نہیں کیا تھا خلف حسن بصری نے باغیوں کی بیخ کنی کے سلسلے میں جزیرہ مہایم پر بھی قبضہ کر لیا جو سلطنت گجرات کے ماتحت تھا اس لیے سلطنت بہمنیہ اور سلطنت گجرات میں جنگ ہوئی۔

فرشتہ شاہان گجرات کے واقعات میں اس جنگ کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ۸۳۳ھ م ۱۴۲۹ء میں راجہ کانھا رائے جالوارہ کو جب یقین ہو گیا کہ احمد شاہ والی گجرات ایدر کی فتح کے بعد اس کے علاقے پر چڑھائی کرے گا تو اس نے اپنی بہتری جلاوطنی میں دیکھی جب یہ خبر احمد آباد میں پہنچی تو ایک فوج اس کے تعاقب میں روانہ کی گئی۔ راجہ کانھا افتاں و خیزاں آسیر و برہان پور میں پہنچا اور دو ہاتھی یہاں کے حاکم نصیر خاں کی خدمت میں پیش کیے اور اس کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ نصیر خاں نے ظاہر اس کی مدارات کی تاہم احمد شاہ گجراتی کے مقابلے کی طاقت اپنے میں نہ دیکھ کر آپ کے پاس ایک سفارشی خط دے کر اس کو بھیج دیا آپ نے کچھ فوج اس کی مدد کو دے کر گجرات کو روانہ کیا جس نے ندربار اور سلطان پور کو خوب تاخت و تاراج کیا اس لیے احمد شاہ گجراتی نے اپنے ولی عہد محمد خاں کو لشکر دے کر بھیجا اور مقرب الملک سپہ سالار اور افتخار الملک سید ابوالخیر اور سید ابوالقاسم اور سید عالم وغیرہ سرداروں کو ساتھ کیا۔ ندربار کے قریب گجراتی اور دکنیوں میں جنگ ہوئی۔ دکنی شکست کھا کر بھاگے اور دولت آباد میں آکر پناہ لی جب یہ خبر آپ کو ملی تو آپ نے اپنے ولی عہد شہزادہ علاء الدین اور قدر خاں سرلشکر کو روانہ کیا۔

لہ۔ مہایم (کلوی مہایم) بمبئی کے تقریباً پچاس میل شمال میں ساحل پر واقع ہے اور اسلامی بادشاہوں کے زمانے میں مشہور شہر تھا۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب اور میجر کنگ نے اس کو خاص جزیرہ بمبئی کا قدیم نام قرار دیا ہے۔

سلطان احمد شاہ جب یہ لوگ دولت آباد آئے تو علاء الدین کا خسر نصیر خاں اور راجہ کانھا رائے جالو اربھی بہمنی کی فتوحات آکر مل گئے جوں ہی یہ متفقہ فوج گھاٹی مانک تک پہنچی تو بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ قدر خاں اور مقرب الملک دونوں سپہ سالار اتفاقاً ایک دوسرے سے مقابل ہو گئے۔ قدر خاں گھوڑے پر سے گر پڑا۔ ملک افتخار الملک نے خاص شہزادہ علاء الدین پر حملہ کرکے شہزادے کے افواجِ خاصہ کو شکست دے کر بڑے بڑے ہاتھیوں کو لوٹ لیا جس سے دکنیوں کو بڑا نقصان پہنچا اور میدان میں نہ ٹھیر سکے نصیر خاں اور راجہ کانھا علاقۂ کلند کی طرف بھاگ گئے۔ دکنیوں نے دولت آباد کا راستہ لیا، مگر اسی سال ۸۳۴ھ م ۱۴۳۰ء میں قطب نامی حاکمِ جزیرۂ مہایم جو گجرات کے ماتحت تھا مر گیا۔ آپ اس شکست کی تلافی کی فکر میں تھے یہ موقعہ ملتے ہی ایک فوج خلف حسن بصری کے تحت روانہ کی جس نے آپ کے حکم سے جزیرۂ مہایم پر قبضہ کر لیا۔

جب یہ خبر گجرات پہنچی تو سلطان احمد گجراتی نے اپنے چھوٹے بیٹے ظفر خاں کو افتخار الملک کی اتابکی میں استرداد مہایم کے لیے بھیجا، اور مخلص الملک کو تواِلِ بندر دیو کو بھی اعانت کے لیے لکھا۔ چنانچہ مخلص الملک سترہ جہازوں کا بیڑا لے کر دریا سے اور ظفر خاں خشکی کی طرف سے تھانہ کو چلے جو دکنیوں کے قبضے میں تھا۔ افتخار الملک سرلشکر اور ملک سہراب سلطانی نے شہزادے سے پہلے آکر محاصرہ کیا، اور جہازوں نے رسد روک دی مگر پھر بھی حاکمِ تھانہ خوب لڑا اور آخر قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ شہزادہ تھانہ میں فوجیں مقرر کرکے مہایم کو روانہ ہوا۔ ملک التجار خلف حسن بصری مہایم میں تھا جہاں ساحل کی طرف اس نے کانٹے لگا دیے تھے۔ جب شہزادہ ظفر خاں مع لشکر کے وہاں آیا تو طرفین میں صبح سے شام تک خوب لڑائی ہوئی۔ ملک التجار خلف حسن بصری شکست کھا کر وہیں کسی دوسرے جزیرے میں چلا گیا اور وہاں سے آپ کو مدد کے لیے لکھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے چھوٹے شہزادہ محمد خاں اور خواجہ جہاں وزیر کو دس ہزار سوار اور ساٹھ ہاتھی کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا جب شہزادہ اپنے لشکر کے ساتھ آیا تو ملک التجار خلف حسن بصری محاصرے سے نکل کر شہزادے سے ملا اور بعد مشورے کے دکنی تھانہ کو روانہ ہوئے۔ ظفر خاں بھی وہاں پہنچا پہلے دن صبح سے

شام تک دونوں لڑتے رہے، مگر دکنیوں کو شکست ہوئی اور ملک التجار خلف حسن بصری کا بھائی حسین بن حسن گرفتار ہوا اور دو دکنی سردار مارے گئے اور ملک التجار خلف حسن بصری چاکنہ[1] میں اور محمد خاں دولت آباد میں لوٹ آئے۔ ظفر خاں نے مہایم میں آکر اپنا انتظام کیا اور جو دکنی دریا میں بذریعۂ جہاز بھاگ گئے تھے ان کو گرفتار کیا اور بہت سا لوٹ کا مال باپ کے پاس بھیجا۔

سلطان احمد ولی بہمنی کی فوج

اس شکست کی خبر سُن کر آپ کو غصہ آیا اور آپ تمام فوج لے کر ۸۳۵ھ م ۱۴۳۱ء میں گجرات کی طرف روانہ ہوئے اور بگلانہ پہنچ کر اس علاقے کو آپ نے تاراج کیا۔ یہاں کا راجہ قلعے میں محصور ہو گیا۔ شہزادہ محمد خاں نے جو اس وقت سرحد گجرات کی حفاظت پر مامور تھا، باپ کو اس کی اطلاع دی اور فوراً نندر بار میں آیا۔ آپ بیتول سے اس کے آمد کی خبر سُن کر اپنے دارالسلطنت کو واپس ہوئے۔ جب اس کو یہ اطلاع ملی کہ آپ بیتول سے واپس ہو گئے ہیں تو وہ بھی احمد آباد کو لوٹا۔ لیکن پھر یہ خبر ملی کہ آپ بیتول کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں اور وہاں کا حاکم ملک سعادت سلطانی محصور ہے تو وہ پھر واپس آیا، اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ محاصرہ اُٹھا کر چلے جائیں تو دوستی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ آپ نے اپنے اُمراء سے اس بارے میں مشورہ کیا جنھوں نے اپنے غرور میں اپنی طاقت کا اندازہ نہ کر کے لڑنے کا مشورہ دیا اور قلعے کی فتح میں عجلت سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلعے پر بہت سے آدمی مارے گئے اور سلطان احمد شاہ گجراتی کے آنے پر محاصرہ اُٹھانا پڑا۔ آپ نے اپنے سرداروں سے فرمایا کہ ہم کو کئی مرتبہ شکست ہو چکی ہے، اگر یہاں بھی شکست ہوئی تو دکن کی حکومت ہم سے جاتی رہے گی، اس لیے جان توڑ کوشش کرنی چاہیئے۔ آپ نے اپنی فوجوں کو درست کیا اور سلطان احمد گجراتی نے اپنی افواج کی ترتیب شروع کی، دونوں میں جنگ شروع ہوئی۔

---

[1] چاکنہ پونا کے بیس پچیس میل شمال میں ایک مضبوط پہاڑی قلعہ ہے۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی فتوحات

لڑائی کے شروع میں دکنیوں کی طرف سے ایک امیر مسمی آثر درخاں نکلا اور اپنے مقابلے کے لیے کسی کو طلب کیا۔ گجراتیوں میں سے عضد الملک آگے بڑھا اور دونوں سرداروں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا، مگر اثر درخاں مغلوب ہو کر قید ہو گیا۔ اس پر طرفین کے لشکر بھڑ گئے اور شام تک خوب لڑتے رہے۔ لیکن دکنیوں کو شکست ہوئی اور ان کا بڑا نقصان ہوا۔ اور بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس لیے رات کو وہاں سے کوچ کر کے آپ اپنے دارالسلطنت بیدر کو واپس ہوئے۔

تاریخ فرشتہ نے تاریخ الفی اور بہمن نامے کے حوالے سے اس جنگ کے جو حالات لکھے ہیں، ان سے اور طبقات اکبری سے حسب بالا بیان کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن فرشتے کا بیان ہے کہ سراج التواریخ بہمنی میں اس محاصرے کے قصّے کو اور طرح پر لکھا ہے۔ مختصر یہ کہ جب محاصرہ کیے ہوئے دو سال کی مدت گذر گئی تو سلطان احمد گجراتی نے بہ طریق رفق و مدارا آپ سے استدعا کی کہ قلعہ اس کو دے دیا جائے۔ جب آپ نے اس کی استدعا کو قبول نہ فرمایا تو اس نے اپنی سرحد سے کوچ کر کے دکن میں تاخت و تاراج شروع کی۔ اس پر آپ نے محاصرہ اُٹھا لیا۔

اس موقع سے فایدہ اُٹھا کر اپنی سابقہ شکست کا بدلہ لینے کے لیے ہوشنگ شاہ[1] والی مالوہ نے ۸۲۸ھ م ۱۴۲۳ء میں فوج لے کر قلعۂ کھیرلا پر چڑھائی کی اور نرسنگ رائے کو قتل کر کے کھیرلا پر قبضہ کر لیا۔ جب آپ کو اس کی خبر ملی تو مالوے والوں سے مقابلہ کرنے کے لیے بڑھے۔ مگر نصیر خاں والیِ آسیر نے دونوں بادشاہوں میں صلح کرا دی جس کے بہ موجب برار آپ کے قبضے میں رہا اور کھیرلا ہوشنگ شاہ کو دے دیا گیا۔

برہان مآثر کے مولف نے اس واقعے کو اس طرح لکھا ہے کہ والی مانڈو (مالوہ) سے قلعۂ کھیرلا کے متعلق جھگڑا ہوا۔ آخر بڑے جنگ و جدال کے بعد صلح ہو گئی جس کے بہ موجب قلعۂ کھیرلا والی مانڈو کو دے دیا گیا اور قلعے کے اس طرف کا علاقہ ممالکِ محروسہ میں شامل

---

[1] فرشتہ۔

باب پنجم

کرلیا گیا۔ اس کے بعد دونوں فرماں رواؤں میں دوستی اور موافقت کے [illegible] سلطان احمد
ان کی اولاد کے زمانے میں مخالفت و مخاصمت میں مبدل ہو گئے، اور [illegible] سلطنت کو ولی بہمنی [illegible]
واپس ہو گئے۔ ان دونوں میں جو دوستانہ تعلقات قائم ہوئے وہ گجرات کے جیسے مستحکم
نہ تھے۔

جس زمانے میں آپ گجرات اور مالوہ کی جنگوں میں مشغول تھے اس موقع کو
غنیمت خیال کر کے غیر مسلم دشمنوں نے ہر طرف اپنے اپنے علاقوں میں بغاوتیں کیں اور
مملکت کے اطراف و اکناف کے قلعے، شہر اور سرحدی مقامات کے باجگذار گماشتوں نے بھی
سرکشی شروع کی۔ آپ گجرات اور مالوے کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد مفتوحہ علاقوں کی
دوبارہ فتح کی طرف متوجہ ہوئے، جہاں کے غیر مسلم مالکوں نے سرکشی شروع کی تھی۔
ایک کثیر فوج جمع کر کے آپ سب سے پہلے تلنگانے کے سرکشوں کی سرکوبی کے لیے روانہ
ہوئے۔ تلنگانے کے کئی علاقے بغیر جنگ کے آپ کے قبضے میں آ گئے اور بعض قلعوں
اور شہروں نے اطاعت قبول کر کے خراج اور مالگذاری برابر ادا کرنے کا اقرار کیا۔
جن علاقوں نے آپ کی اطاعت قبول نہیں کی ان میں آپ کی فوجوں نے قتل و غارت
مچائی۔ خدا کی عنایت، اور آپ کی اقبال مندی سے کئی مضبوط قلعے فتح ہوئے جن میں بہت مشہور
اور مضبوط قلعہ رام گیر[2] بھی آپ کے قبضے میں آ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر والیٔ قلعہ ورنگل کو فکر ہوئی،
اور اس نے اپنے اعیانِ سلطنت سے مشورہ کر کے آپ کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا
اور فرماں برداری اور اطاعت کے لیے عرضی گذرانی کہ اگر آپ اس کے قصور کو معاف
کر دیں گے تو وہ خراج گذرانے گا۔ آپ نے اپنی مہربانی سے قلعے کے رہنے والوں کے قصور کو
معاف کر دیا، اور ضمانت لے کر فوجوں کو لوٹ مچانے سے منع کیا۔ اسی طرح تلنگانے کے
جملہ قلعے اور شہر، جو غیر مسلموں کے قبضے میں تھے آپ کے قبضے اور تصرف میں آ گئے[1]

---

[1] برہان مآثر۔

[2] قلعہ رام گیر جنوب مشرقی برار میں واقع تھا۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی فتوحات

اور جو حکمران خراج دینا قبول کر کے آپ کے مطیع ہوئے آپ نے ان کے علاقے انھی کے قبضے میں بحال رکھے۔ آپ نے ابراہیم سنجر خاں کو سر لشکر بنا کر اور ایک جرار فوج اس کے ماتحت دے کر اس علاقے کی حفاظت کے لیے مقرر کیا اور قلعۂ بھونگیر اور بعض اضلاع اس کی جاگیر میں دیے، اس طرح اس علاقے کو فتح کرنے اور اس کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے دار السلطنت بیدر کی طرف تشریف لے گئے۔

فرشتے کا بیان ہے کہ ہوشنگ شاہ والئ مالوہ سے صلح کرنے کے کچھ عرصے کے بعد آپ کا آخری سفر تلنگانے کی طرف ہوا، اور آپ نے بہت سے زمین داروں کو جنھوں نے شہزادہ داؤد خاں سے سرکشی کی تھی مغلوب کیا۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی خارجی حکمت عملی

سلطنت بہمنیہ کے بیرونی حالات کے تذکرے میں لکھا جا چکا ہے کہ یہ سلطنت کئی مخالف سلطنتوں سے گھری ہوئی تھی جو ہمیشہ اس تاک میں رہتی تھیں کہ اگر موقعہ ملے تو اس کا خاتمہ کر ڈالیں سلطنت بہمنیہ ہی کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ دنیا میں ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ جہاں کوئی سلطنت کمزور ہوئی وہاں قریب کی سلطنتوں نے اس پر حملہ کر دیا اور فتح کر کے اس کے علاقے کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

سلطنت بہمنیہ کے دو جانی دشمن سلطنتیں تلنگانہ اور بیجانگر تھیں جو ہمیشہ اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتی تھیں انھیں کی وجہ سے اس کو ہمیشہ برسرپیکار رہنا پڑتا تھا۔ ان میں سے سلطنت تلنگانہ کا خاتمہ کر کے اس کا الحاق آپ نے اپنی سلطنت سے کر لیا اور سلطنت بیجانگر کو کئی جنگوں میں شکست دے کر اپنا باجگذار بنا لیا اور اس کی طاقت کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ اس تاک میں لگی رہتی تھی کہ جیسے ہی موقع ملے اس کو نیست و نابود کر دے اس لیے اس سے سلطنت بہمنیہ کو ہمیشہ خوف لگا رہتا تھا اس کے علاوہ مشرق میں رایان اڑیسہ تھے جو سلطنت بہمنیہ کا نام و نشان مٹانے پر آمادہ نظر آتے تھے لیکن ایک بڑی حد تک حکمت عملی سے آپ نے اُن کا بھی زور توڑ دیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی سلطنت کے لیے ان کا وجود کوئی زیادہ خطرناک نہ تھا ان کے علاوہ اور کئی چھوٹی چھوٹی ہندو ریاستیں تھیں جن سے آپ کی سلطنت گھری ہوئی تھی ان میں سے بعض کا تو آپ نے خاتمہ کر کے اپنی سلطنت سے الحاق کر لیا اور باقی کو اپنا باجگذار بنا لیا تھا۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی حکمت عملی

ان غیر مسلم ریاستوں کے علاوہ آپ کی سلطنت کے ہمائی دشمن شمال میں سلاطین مالوہ وخاندیس تھے۔ مغرب میں سلاطین گجرات تھے جو ہمیشہ دندانِ آز تیز کیے ہوئے رہتے تھے۔ یہ تینوں مسلمانوں کی حکومتیں تھیں۔ ان میں سے مالوہ اور گجرات کے حکمرانوں کے ساتھ آپ کی جنگیں ہوئی تھیں جن میں کئی مسلمان مارے گئے تھے، جن کا آپ کو بہت افسوس تھا۔ ایک مرتبہ تو آپ نے خود گجرات اور مالوہ پر فوج کشی کی لیکن بغیر جنگ کیے صلح کر کے اپنی فوجوں کے ساتھ واپس اپنے دارالسلطنت کو تشریف لائے۔ آپ کو خدا نے ایسا رحم دل بنایا تھا کہ آپ کبھی جنگ میں سبقت نہیں کرتے تھے، اور لڑ کر بندگان خدا کا خون بہانا گناہ خیال کرتے تھے۔ جب کبھی جنگ کے لیے تشریف لے جاتے کوشش یہ کرتے تھے کہ صلح ہو جائے۔ اگر صلح نہ ہوتی تو مجبوراً جنگ پر آمادہ ہوتے تھے۔ ۸۳۵ھ م ۱۴۳۱ء میں گجرات کے مقابلے میں آپ اپنی فوجوں کو تقریباً ایک سال تک روزانہ آراستہ کیا کرتے تھے لیکن لڑنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ صلح ہوئی اور آپ اپنی سلطنت کو واپس تشریف لے گئے۔

آپ کے فوجی کارنامے عدیم المثال ہیں، آپ کا تدبر اور سیاست دانی ایسی تھی کہ آپ دوسری سلطنتوں کو سر اُٹھانے نہ دیتے تھے جن کی کئی مثالیں گذشتہ ابواب میں ملتی ہیں۔ اور انھی کی بدولت آپ نے سلطنت بہمنیہ کو وہ استحکام بخشا کہ وہ آپ کے بعد بھی ایک زمانے تک قایم رہی۔ فیروز شاہ بہمنی کی وفات کے بعد آپ کی بجائے اگر کوئی دوسرا کم زور دل ودماغ کا بادشاہ ہوتا تو اس کے لیے ان حالات میں سلطنت کا سنبھالنا سخت مشکل تھا۔ مگر یہ تو صرف آپ ہی کی سیاست دانی تھی جس کی بدولت سلطنت بہمنیہ کا قیام ایک مدت تک دکن میں برقرار رہا۔

آپ ایک دور اندیش بادشاہ تھے۔ یہ جانتے تھے کہ اُسی وقت سلطنت کو فروغ ہو سکتا ہے جب کہ دوسری سلطنتوں سے ربط واتحاد ہو۔ اس کے علاوہ آپ تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک سمجھتے تھے اور آپ کا منشا یہ تھا کہ تمام اسلامی سلطنتوں کے آپس میں دوستانہ تعلقات قایم رہیں اور ایک کو دوسرے کے ساتھ جیسا کہ اخوت اسلامی کا مقصد ہے ہمدردی ہو تاکہ غیر مسلم ریاستیں مسلم ریاستوں پر حملہ کرنے کی جراءت نہ کر سکیں۔ اسی جذبۂ اخوتِ اسلامی کے تحت آپ نے مناسب خیال فرمایا کہ نصیر خاں فاروقی والیٔ (اسیر و برہان پور) خاندیس سے قرابت کا سلسلہ پیدا کیا جائے۔ فرشتے کا بیان ہے کہ آپ کو یہ خیال فتح مالوہ اور پایہ تخت کے گلبرگہ سے بیدر میں منتقل

سلطان احمد ولی بہمنی کی حکمہ

کرنے کے بعد پیدا ہوا۔ اور برہان مآثر کے مولف نے لکھا ہے کہ بیدر کو پایہ تخت بنانے کے سال کے آخر میں آپ کو یہ خیال پیدا ہوا۔ غرض دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ رشتہ تبدیلیٔ پایہ تخت کے بعد یعنی ۸۲۶ھ م ۱۴۲۳ء میں بیدر میں آنے کے بعد قایم ہوا تھا۔

برہان مآثر کے مولف نے اس حاکم خاندیس کا نام مبارک خاں فاروقی والیٔ اسیر و برہان پور لکھا ہے، اور فرشتے نے نصیر خاں فاروقی والیٔ اسیر و برہان پور بیان کیا ہے۔ برہانِ مآثر کی روایت غلط اور فرشتے کی صحیح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ مبارک خاں فاروقی کا دوران حکومت ۷۴۴ھ م ۱۳۴۱ء سے ۸۶۱ھ م ۱۴۵۷ء تک ہے اور یہ نصیر خاں کا پوتا ہے۔ خاندیس کے جو حالات فرشتے نے لکھے ہیں ان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ کا اور آپ کے ولی عہد علاء الدین کا ہم عصر حاکم خاندیس نصیر خاں فاروقی ہی تھا۔ اور اسی کی بیٹی زینب سے آپ نے سلطان علاء الدین کی شادی کی تھی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

آپ نے اپنے ایک مقرب درباری مسمی عزیز خاں کے ذریعے اپنے ولی عہد علاء الدین کے واسطے نصیر خاں فاروقی کی لڑکی سے نسبت کرنی چاہی۔ نصیر خاں فاروقی کو شاہان گجرات سے خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں خاندیس اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس نے بھی اس پیغام کو بہ مصالح ملکی بہتر سمجھ کر فوراً منظور کر لیا۔ اس نے اپنے پایہ تخت میں جشن عروسی منعقد کروایا اور کئی روز تک دعوتوں کا سلسلہ جاری رکھا؛ و رقص و سرود کے جلسے منعقد کرواتا رہا، اور ۸۲۶ھ م ۱۴۲۳ء کے آخر میں شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ اپنی بیٹی کو بیدر روانہ کیا۔

آپ نے دلہن کو بیرون شہر بیدر ایک باغ میں اُتارا اور شہر میں آئینہ بندی کا حکم دے کر خوب آراستہ کرایا، اور دو مہینے تک شادی کے جشن رچائے گئے جس میں بے دریغ روپیہ خیر خیرات، انعام و اکرام، رقص و سرود کے جلسوں اور دعوتوں میں صرف کیا گیا، اور نہایت تزک و احتشام شاہانہ کے ساتھ نجومیوں کی مقرر کردہ نیک ساعت میں شہزادے کا

---

[1] برہان مآثر آپ کے زمانے کے سکوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تبدیلیٔ پایہ تخت اسی سال ہوئی تھی جس کی تفصیل تبدیلی پایہ تخت کے بیان میں لکھی گئی ہے۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی حکمت عملی

عقد کیا گیا اور نہایت دھوم دھام کے ساتھ برات کو اندرون شہر لایا گیا۔

اس شادی کی وجہ سے سلطنت بہمنیہ اور سلطنت خاندیس میں اتحاد قایم ہو گیا اور یہ اتحاد آپ کے زمانے میں نہایت مفید ثابت ہوا۔ گو بعد میں یہ زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہ سکا۔

۸۳۳ھ م ۱۴۲۹ء اور ۸۳۴ھ م ۱۴۳۰ء میں سلطنت بہمنیہ کو سلطنت گجرات کے مقابلے میں شکست ہوئی، اس خبر کو سن کر آپ نے خود ۸۳۵ھ م ۱۴۳۱ء میں فوج جمع کر کے گجرات کی طرف روانہ ہو کر قلعہ بھول کا محاصرہ کیا۔ اس کو سن کر سلطان احمد گجراتی بھی بڑی عظمت و شان کے ساتھ حریف سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ آپ نے محاصرے سے ہاتھ اُٹھایا اور دشمن کی طرف آگے بڑھے۔ دونوں فرمانروا ایک دوسرے کے مقابلے میں تقریباً ایک سال تک ٹھیرے رہے اور ان میں سے کسی نے بھی جنگ پر سبقت نہیں کی یہاں تک کہ دونوں طرف کے علماء و فضلاء درمیان میں آئے اور انھوں نے اپنے وعظ و پند سے دونوں کی آتشِ غضب کو ٹھنڈا کیا اور صلح کرا دی، جس کی رو سے قلعۂ بھول گجرات کے تحت رہا اور آپ کا علاقہ آپ کے قبضے میں۔ اس کے چند روز بعد دونوں بادشاہوں میں تحریری معاہدۂ صلح ہو کر جھگڑے اور دشمنی کا خاتمہ ہوا، جس کی رو سے یہ طے پایا کہ وہ ملک و ملت کے دشمنوں کے دفع کرنے میں ایک دوسرے کے ممد و معاون رہیں گے اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے میں اپنی طرف سے کبھی کوتاہی نہ کریں گے۔ دونوں مسلمان بادشاہوں نے شرایط صلح پر راضی ہو کر ایک دوسرے کو کئی تحفے اور ہدیے بھیجے اور تقریباً سو سال تک دونوں میں رابطۂ اتحاد و محبت قایم رہا۔

ہوشنگ شاہ والیِ مالوہ کو ۸۳۲ھ م ۱۴۲۹ء کی جنگ میں شکست ہوئی تھی، وہ اس کا بدلہ لینے کے لیے پھر ۸۳۷ھ م ۱۴۳۳ء میں حملہ آور ہوا لیکن آپ میں اور ہوشنگ شاہ میں صلح ہو گئی جس کی رو سے اس کا علاقہ اسی کے تحت رہا اور دوستی اور موافقت کے عہد و پیمان ہوئے جو گجرات کے جیسے مستحکم ثابت نہ ہوئے کیوں کہ وہ ان کی اولاد کے زمانے میں

مخالفت و مخاصمت میں مبتلا ہو گئے۔

اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت بہمنیہ کا رقبہ وسیع اور اس کا وجود مستحکم ہو گیا۔ اس کے بعد سے سلطنت کو ان بیرونی سلطنتوں کے حملوں کا خوف نہ رہا اور قریب کی سلطنتیں آپ کو حامیِ دین سمجھنے لگیں۔ آپ نے اپنی اسی حکمتِ عملی کے تحت اسلامی ممالک سے نامی گرامی شعراء، علماء، فضلاء، اہلِ فنون و کمال، صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کو اپنے دارالسلطنت میں طلب کیا اور انھیں نہایت فیاضی کے ساتھ انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

غرض کہ آپ کی حکمت عملی سلطنت بہمنیہ کے لیے آپ کے زمانے میں مفید ثابت ہوئی، اس کی وجہ سے آپ کو گجرات، مالوہ اور خاندیس کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور آپ ملکی اصلاحات کر سکے، اور اندرونی فتنہ و فساد کی بیخ کنی کر کے ملک میں امن قائم کیا۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی سیرت

آپ میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں مجتمع تھیں جو ایک پاک باز اور دین دار بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ علم وہنر، تدبر، دانائی، فہم و فراست، عزم و ثبات، فیاضی، شجاعت اور بلند حوصلگی میں آپ سلاطین بہمنیہ میں ایک ممتاز بادشاہ تھے۔ شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے آپ کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ آپ کی قدر دانی کی ندائے عالم نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانے کے تمام اہلِ کمال دربار میں کھنچ آئے اور بیدر علوم و فنون کا مرکز اور رشک فارس و عراق بن گیا۔ بہمن نامہ اور منہل الصافی شرح وافی کی تالیف آپ ہی کے زمانے میں ہوئی جس نے آپ کے نام کو زبان زدِ خاص و عام کر دیا۔ علمی درس گاہیں جس قدر تمام مملکت میں کھلیں ان کی ایک بڑی فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ آپ کو ہر علم کا ذوق تھا۔ کلام، حدیث، فقہ، اصول تفسیر، ریاضی، علم معانی، بیان اور ادب کے فاضل تھے، جیسے خود قابل طباع اور فضیلت مآب تھے ویسے ہی آپ کے اراکین دولت تھے۔ خصوصاً میاں محمود نظام الملک درجۂ وزارت پر ممتاز تھا۔ مُلّا عبدالغنی صدر، نجم الدین مفتی، شیخ آذری ملک الشعراء، میر نور اللہ ملک المشائخ، قاضی احمد مقبول ملک العلماء، نظام الدین قاضی پر بیدر کو ناز تھا۔ باوجود ایسے عظیم القدر سلطان ہونے کے تکلف، غرور اور تعصب مزاج میں نام کو نہ تھا خوش اخلاقی، ملنساری اور خاکساری میں

سلطان احمد ولی بہمنی کی

بے نظیر تھے۔ ہر ایک سے نیاز مندانہ ملتے اور نرمی و ملاطفت سے پیش آتے تھے، دوست اور غیر دوست سے ہمدردی کیا کرتے تھے۔

آپ اپنے زمانے کے ہم عصر بادشاہوں سے بھی دوستانہ تعلق رکھتے تھے چنانچہ احمد شاہ والیِ گجرات، ہوشنگ شاہ والیِ مالوہ اور نصیر خاں فاروقی والیِ خاندیس آپ کے خاص دوست تھے جنھیں اکثر تحفے تحایف بھیجا کرتے تھے۔ اور رائے کھیرلا اور والیِ اڑیسہ سے بھی آپ کے دوستانہ تعلقات قایم تھے۔

آپ نہایت شجاع اور خوب صورت جوان تھے۔ چہرہ نہایت روشن اور پیشانی نہایت کشادہ تھی، اور جبینِ پُر تنویر سے نورِ ایمان ٹپکتا تھا۔ آپ نے صدقِ عقیدت اور خلوصِ ارادت سے حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی۔ بہ صرف زرِ کثیر حضرتؒ کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی، اور ہمیشہ حاضرِ خدمت ہو کر اسرارِ معرفت کا سبق لیتے اور ہر محفلِ سماع میں شریک ہو کر نکاتِ تصوف سے محظوظ اور توجہ حضرتؒ سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ آپ مذہبی عقاید اور خیالات میں مستحکم تھے۔ سُنّی المذہب اور صوفی المشرب تھے۔ صوم و صلواۃ کے بہت پابند اور خدا ترس تھے۔ ہر روز تلاوت قرآن شریف اور ورد وظایف کرتے تھے ایک وقت کی نماز تو کیا، آپ نے کبھی تہجد اور اشراق تک قضا نہیں ہونے دی۔ ہر سال صدہا حجاج کو شاہی اخراجات سے حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ کیا کرتے تھے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے آپ کا لباس نہایت سادہ تھا، اور غذا آپ کی سوکھی جو کی روٹی اور سوکھا ساگ تھی۔ آپ کے رہنے کا مکان بھی نہایت معمولی اور سادہ تھا اور روزانہ قرآن شریف کا پاؤ پارہ لکھا کرتے تھے، اس سے جو آمدنی ہوتی اسی سے آپ کے تمام خانگی اخراجات پورے ہوتے تھے۔ سلطنت کی آمدنی سے ایک پیسہ بھی اپنے لیے خرچ کرنا حرام خیال فرماتے تھے۔ ہمیشہ حلال کی روزی سے گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ ایک روز

لہ۔ تاریخ خورشید جاہی۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی سیرت

ایک فقیر نے حاضر خدمت ہو کر طعام خاصہ طلب کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے شاہی مطبخ میں ہر روز مختلف قسم کے پکوان ہوا کرتے ہیں اور ہزار ہا لوگ کھایا کرتے ہیں، تم بھی وہاں جا کر جس قسم کے کھانے کی تمھیں خواہش ہو ملازمین سے مانگ کر کھا لو۔ لیکن وہ اپنی استدعا پر مصر ہوا۔ اس پر آپ مجبوراً اندر گئے اور جو کی روٹی اور سوکھا سالن اس پہ رکھ کر اس کو لا دیا۔ فقیر اس غذا کو دیکھ کر متعجب ہوا اور نہ کھا کر واپس جانے لگا۔ آپ نے اس کو بلا کر نہ کھانے کی وجہ دریافت کی، وہ جواب دیا کہ آپ نے جو کھانا بھجوایا تھا اُس کو تو کوئی نہیں کھا سکتا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی تک تمھارا نفس امارہ قابو میں نہیں آیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کو مطبخ شاہی میں روانہ کیا اور جس قسم کے کھانے کی اس نے خواہش کی اس کو مہیا کرا دیا۔

آپ تاریخ دکن میں سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے نام سے مشہور ہیں اور دکن کا ہر شخص آج تک آپ کے ولیٔ کامل ہونے کو تسلیم کرتا ہے۔ آپ کے ولی کہلانے کے واقعہ کو فرشتہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ: سلطنت کرتے ہوئے چند سال گذرے تھے کہ دارالسلطنت میں امساک باراں سے قحط عظیم واقع ہوا، اور نہریں اور باولیاں اکثر ممالک دکن کی خشک ہو گئیں جس کا یہ اثر ہوا کہ اکثر چوپائے اور صحرائی جانور مرنے لگے۔ آپ نے خزانے کا دروازہ کھول کر سپاہ میں روپیہ تقسیم کیا اور غلہ کے شاہی ذخائر غرباء اور مساکین میں لٹا دیئے۔ جب ایک سال اس طرح پر گذرا، اور دوسرے سال بھی آثار نزول فیوض آسمانی کا ظہور نہ ہوا تو آپ نے مضطرب ہو کر علماء، مشایخ اور زہاد کو ساتھ لے کر نماز استسقا ادا کی، لیکن جب اس پر بھی کوئی اثر مترتب نہ ہوا، اور لوگوں نے آپ کی سلطنت کو منحوس خیال کیا تو

لے۔ یہ واقعہ فرشتے کے بیان کے مطابق دیورائے کی جنگ کے بعد ۸۲۷ھ م ۱۴۲۳ء میں پیش آیا تھا، اور ۸۲۸ھ م ۱۴۲۵ء میں قحط رفع ہوا تھا۔ اس واقعہ سے قبل یعنی ۸۲۶ھ میں پایہ تخت بیدر میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ لہذا یہ واقعہ بیدر ہی میں پیش آیا تھا۔

سلطان احمد ولی بہمنی کی

آپ نہایت متاثر و محزوں ہو کر بہ نفس نفیس صحرا کی طرف تشریف لے گئے اور تنہا ایک بلندی پر چڑھ کر چند رکعت نماز ادا کی اور نہایت عجز و انکسار سے جبینِ نیاز زمین پہ ٹیک کے درگاہ قاضی الحاجات میں دعائے بارانِ رحمت کی اور اس قدر زاری کی کہ خدا کی قدرت سے اسی دم ایک ابرِ عظیم آسمان پر نمودار ہو کر برسنے لگا۔ آپ نے مُراد پاکر عرض کیا کہ میں فیضِ سبحانی اور رحمت ربانی سے ہرگز نہ بھاگوں گا برسے برسے اور خوب برسے۔ اور جو لوگ آپ کے ہمراہ آئے تھے شدّتِ باراں سے کانپنے لگے اور سب جوش و خروش میں آکر کہنے لگے کہ اے سلطان احمد شاہ بہمنی ولایت آپ کی ظاہر ہوئی۔ آپ سر سجدے سے اُٹھا کر شہر کی طرف مراجعت فرمایئے تاکہ خلق آسودہ ہو۔ پس آپ عین بارش میں بھیگتے ہوئے شہر میں آئے، اور اسی دن نہیں بلکہ اسی گھڑی سے آپ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے لقب سے ملقب اور مشہور ہوئے۔ آپ کے صاحبِ ولایت اور عالی مرتبہ ولی اور بزرگ تر خدا دوست اور مقبول بارگاہ ربِ قدیر ہونے کا اسی ایک کرامت سے اندازہ کر لینا چاہیئے۔

آپ ابتدا سے درویشانِ صاحب حال اور علماء و مشائخین باکمال کے معتقد اور ہمیشہ ان کی صحبت سے فیض کے طالب رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے مرید ہو کر آپ کی علم باطنی سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کو جو یہ جلیل القدر مراتب سلطانی اور ولایت ملی وہ حضرتؒ ہی کی دعا اور فیض و برکت سے حاصل ہوئی تھی۔

آپ آنحضرت رسول اللہ علیہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسنین علیہ السلام کے عشق و محبت کے بندے تھے۔ ترویج شرع سید المرسلین میں اپنی تمام ہمت صرف فرمائی اور اسلام کے پھیلانے میں اور جملہ لوازم و احکام شرعیہ کی بجا آوری میں سعیٔ تمام فرمایا کرتے تھے۔ دین مبین مصطفوی کے اوامر و نواہی میں احتیاط فرماتے اور امر معروف و نہی منکر میں قیام و اقدام کرتے تھے۔ خیرات آپ کی علانیہ اور خفیہ دونوں طرح پر جاری تھی۔ روزانہ کئی ہزار تنگہ جیب خاص سے خیرات کیا کرتے تھے۔ خیرات آپ کی بیدر اور ہندوستان تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ دور دراز ممالک جیسے عراق و فارس وغیرہ بھی

احمد شاہ کی سیرت

اس سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ سادات اور مشائخین کی بے حد عزت کرتے، حسنِ اعتقاد رکھتے اور انھیں انعام و اکرام اور خیرات سے مالا مال فرمایا کرتے تھے۔
چنانچہ مورخین[1] بیان کرتے ہیں کہ ۸۳۷ھ میں سرکش باغیوں کو سزا دے کر جب آپ نے مراجعت کی اور بیدر سے ایک منزل پر آ رہے تو ناصرالدین کربلائی کو جس کو شیخ آذری نے سفارش کر کے بھیجا تھا، پانچ ہزار تنگہ دیا اور تیس ہزار تنگہ کربلائی سیدوں کو تقسیم کرنے کے لیے اُس کے ہاتھ بھیجا۔ شیخ اسی دن روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک امیر شیر ملک نامی کے سامنے سے اُس کا گذر ہوا، چونکہ اُس زمانے کا دستور تھا کہ بڑے امرا کے سامنے جائیں تو ان کی تعظیم کریں، مگر یہ سید ویسے ہی گھوڑے پر چڑھا ہوا گستاخانہ سامنے سے گذر گیا۔ شیر ملک نے اپنے آدمیوں سے اُسے پکڑوا بلایا اور گھوڑے سے زبردستی اتروا دیا۔ یہ سید آپ کے پاس چلا گیا اور اس کی شکایت کی۔ آپ جب بیدر کو آئے تو دربار کے وقت شیر ملک بھی حاضر ہوا، آپ نے بہ لحاظ احترام سادات شیر ملک کو اس قصور میں ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر مروا ڈالا، اور مورخین اور شعراء نے اس کو آپ کی بڑی دین داری کا کام لکھا ہے۔

آپ ہمیشہ بزرگانِ دین، اکابر سادات، مشائخ، صوفیا، صلحا و زہاد سے خاص تعلق عقیدت اور صحبت رکھتے تھے اور ان سے دعائیں لیتے تھے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ حضرت سید السادات سید حنیفؒ، حضرت عبدالصمدؒ عرف شاہ راجو اور شاہ خلیل اللہ کے مکان پر خود جاتے تھے، اور وہ جو نصیحت فرماتے اس پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ ان کے کلمات نصیحت آمیز کو توجہ سے سنتے۔ صوفیائے کرام و مشائخ عظام، علما، و فضلا، صلحا، زہاد کے خاص وظیفے مقرر تھے۔ باوجود پابندیٔ شریعت آپ زاہدِ خشک بھی نہ تھے۔ آپ کی بے تکلفی کی مجلس میں نغمہ و سرود بھی ہوتا تھا، اور آپ کی مجلسِ ہمایوں میں ہمیشہ ندمائے حکمت شعار اور حکمائے فضیلت آثار حاضر رہتے اور محفل کو لطائفِ کلمات

---

[1] فرشتہ اور برہان مآثر۔

اور تعریف مکارم صفات سے آراستہ رکھتے تھے اور ان کی حکمت اور موعظت کی داستانیں سماعت فرمایا کرتے تھے۔

سلطان ولی بہمنی

آپ ہمیشہ علمائے اہلِ کمال اور شعرا کی قدر افزائی انعام و اکرام سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے شیخ آذری کو دو ابیات کے صلے میں جو اس نے بیدر کے قصرِ شاہی کے متعلق کہے تھے چالیس[1] ہزار تنگہ دے کر اُس کی خواہش کے مطابق وطن واپس جانے کی اجازت اور اخراجات سفر کے لیے مزید بیس ہزار تنگہ، خلعت خاص، اور پانچ ہندی غلام عنایت فرمایا۔ اور شرف الدین[2] مازندرانی کو ان اشعار کے خوش خط لکھنے کے صلے میں بارہ ہزار تنگہ سے سرفراز فرمایا۔ غرض کہ آپ فضلاء و علماء و شعراء و ندما کے ملجا و ماوا تھے۔

آپ میں عدل و انصاف کا جوہر موجود تھا۔ انصاف میں کسی کی طرف داری نہیں فرمایا کرتے تھے، خواہ وہ آپ کا عزیز ہو یا غیر۔ چنانچہ آپ نے اپنے ہمشیرہ زادہ شیر خاں کو قصاصاً معاملۂ خون میں قتل کرایا، اور جس کا اثر یہ تھا کہ تمام ملک میں خوش حالی پائی جاتی تھی۔ تجارت میں کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ قریہ، قریہ مال و دولت سے آباد تھا۔ دار الخلافہ کی آبادی بہت تھی، اور ملک میں ہزارہا مسجدیں، پل، حمام، اور مدارس موجود تھے۔ اور کئی نئے شہر، جیسے نعمت آباد وغیرہ آباد کرائے، اور وقتِ ضرورت بڑے بڑے صوبوں میں دورہ بھی کیا اور ملک کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔

آپ کی ذات بردباری اور پرہیزگاری کے لباس سے آراستہ اور

---

[1] فرشتہ۔ لیکن برہان مآثر نے لکھا ہے کہ آپ نے بطور انعام اس کو سو ہزار تنگہ اور اخراجات سفر کے لیے بیس ہزار تنگہ عنایت فرمایا تھا۔

[2] برہان مآثر۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی سیرت

زیور زہد و صلاح سے پیراستہ تھی۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ عصر اور انواع کمالاتِ صوری اور معنوی میں بایزیدِ دہر تھے۔ اِس کے علاوہ آپ قواعد لشکرکشی و آئینِ فرمانروائی خوب جانتے تھے۔ ہر کام میں بھائی کی پیروی اور ادب کرتے تھے۔ سادات، علماء اور مشائخ کی تعظیم و تکریم کرتے اور فقیروں اور درویشوں سے بہت عقیدت رکھتے، اور ان کے ساتھ بہت سلوک کیا کرتے تھے۔ کل مہامِ سلطنت کو بہ ذاتِ خود انجام دیتے۔ غریب رعایا کی فریاد سنتے اور انصاف فرماتے اور اپنی ہندو مسلم رعایا کو ایک نگہ سے دیکھتے تھے۔ دونوں میں تمیز نہیں کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ رعیت نواز اور ظالم کُش تھے جس طرح مسلم رعایا کے آرام و آسایش کا خیال رکھتے تھے اُسی طرح غیر مسلم کا بھی خیال فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ سلطان سوری کے مولف نے لکھا ہے کہ آپ کو بیدر میں ایک قطعۂ زمین کی سخت ضرورت تھی، اس زمین کا مالک ایک غیر مسلم لوہار تھا۔ عہدہ دارانِ سرکاری نے اس کو ہر طرح سے سمجھایا اور معقول معاوضہ دینے کا وعدہ کیا لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ جب وہ سختی کرنے لگے تو لوہار آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر عرض حال کیا، آپ نے اپنے عہدہ داروں سے فرمایا کہ جب وہ زمین دینے سے ناراض ہے تو اس پر سختی نہ کی جائے اور زمین کو اسی کے قبضے میں رہنے دیا جائے۔ لوہار کو خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔ آپ کے اس حکم اور مہربانی سے لوہار بہت خوش ہوا، اور آپ کو دعائیں دیتا ہوا گھر کو واپس گیا۔ آپ گاہے گاہے مثل ہارون رشید خلیفۂ بغداد کے بھیس بدل کر رعایا کے حالات دریافت کرنے کوچہ بہ کوچہ گشت لگایا کرتے تھے۔ کبھی مسجدوں اور مدرسوں میں جا کر وہاں کی حالت دیکھتے اور مثل اپنے بھائی کے ہفتے میں تین دن یعنے شنبہ، دوشنبہ اور چہار شنبہ، خود ہی طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔ اور کبھی دفاتر میں جا کر ملک کے نظم و نسق کو ملاحظہ فرما کر اصلاحیں جاری فرماتے تھے، اور صدہا رفاہ عام کے کام کرتے تھے جس میں خزانے کا بڑا حصہ ہمیشہ صرف ہوتا تھا۔ غرض آپ نے اخلاق خجستہ سے خاص و عام کو مطیع و فرمانبردار اور عاداتِ حسنہ

سلطان احمد ولی بہمنی کی ر

اور لطف و مروت سے ہر ایک کو اپنا والہ و شیدا بنا لیا تھا اور مملکت میں ایسا انتظام فرمایا تھا کہ کوئی برُے فعل کا مرتکب ہونے کی تو کیا بلکہ خادم اپنے مخدوم سے بے وفائی، قرض خواہ قرضہ دہندہ سے وعدہ خلافی اور بے ایمانی تک کرنے کی جرات نہ کرسکتا تھا۔ آپ کے عہد میں وفاداری اور حق شناسی کا شعار عام تھا۔ چنانچہ فرشتہ بیان کرتا ہے کہ آپ کے زمانے میں بیدر کے ایک باشندے کے پاس ایک کتا تھا جو وفاداری اور حق شناسی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اتفاقاً اس شخص کو ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے اس کو روپے کی ضرورت ہوئی اور اس نے اس کتے کو ایک دوسرے شخص کے پاس رہن رکھ کر روپیہ حاصل کیا۔ یہ شخص کتے کو ہمراہ لے کر قصبۂ گنجوٹی روانہ ہوا۔ اتفاق سے راستے میں اس کا دشمن ملا اور موقع پاکر اس کو تلوار سے زخمی کیا اور مردہ سمجھ کر بہ خوشی جانے لگا۔ کتے نے اس واقعہ کو دور سے دیکھا اور دشمن کے قریب آکر اس کو پنجوں اور دانتوں سے زخمی کرکے ہلاک کر ڈالا اور پھر مرتہن کے پاس آیا اور اس کو زندہ پاکر سر اس کے پاؤں پر ملا اور رنج و الم کے حرکات کا اظہار کرنے لگا۔ اس پر اس شخص نے سمجھا کہ اس کا دشمن مرگیا ہے۔ اس نے اس کتے کے ساتھ مہربانی کی اور قریب کے گاؤں میں جاکر اپنے علاج معالجے میں مصروف ہوا۔ جب اس کی حالت روز بہ روز بد سے بدتر ہونے لگی اور زیست کی امید باقی نہ رہی تو اس نے اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا کہ "اس کتے نے میرے ساتھ اس طرح کی وفاداری کی ہے اور میرے دشمن کو اس طرح ہلاک کیا، جو حق تمہارے ذمے تھا وہ ادا ہوگیا اور اب مجھے اپنے روپیے کا دعوے نہیں ہے۔ میں نے کتے کو بے حد رضامندی کے ساتھ رخصت کیا ہے اس کو ہزار دوستوں سے بہتر سمجھو اور اس سے غافل نہ رہو۔" اس خط کو اس نے کتے کے گلے میں باندھ کر کتے کو اس کے مالک کے پاس روانہ کردیا۔ مالک کتے کو دیکھ کر غصے اور غضب میں آیا اور اس کو یہ کہہ کر کہ تو نے مجھ کو لوگوں میں بے اعتبار اور وعدہ خلاف کردیا، ایسے زور سے مارا کہ وہ زمین پر گرا اور مرگیا۔ مالک نے اس کی گردن میں کاغذ آویزاں دیکھا اور اسے کھول کر پڑھا اور حقیقت حال

سلطان احمد شاہ بہمنی کی سیرت

معلوم کرکے افسوس کیا اور شہر سے باہر اسے دفن کر دیا۔ قرض کے روپے اور اپنے پاس سے اُس میں شریک کرکے قبر پر گنبد بنوایا جو فرشتہ کے زمانے تک بیدر میں موجود تھا۔ محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین دکن کے مولف نے بہ حوالہ تاریخ محمود شاہی لکھا ہے کہ جب مخبروں نے اس کتے کی وفاداری اور موت کا قصہ آپ سے بیان کیا تو آپ کو بھی سخت افسوس اور کتے کی وفاداری پر تعجب ہوا، اور حکم دیا کہ اس کو بیرون شہر عظمت کے ساتھ دفن کرکے اس پر ایک عالیشان گنبد تعمیر کیا جائے تاکہ آپ کے زمانے کا یہ عجیب واقعہ دنیا میں یادگار رہے۔

آپ کے دور حکومت میں ہندوؤں سے جنگ و جدال اور ان کا کشت وخون نمایاں نظر آتا ہے، لیکن اس کو آپ کے دامن پر بدنما داغ نہیں کہا جا سکتا۔ لڑائی چھیڑ چھاڑ پہلے آپ کی طرف سے نہیں بلکہ ہندوؤں کی طرف سے ہوئی۔ بعد میں بھی ہندوؤں نے عداوت و دشمنی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جب کوئی موقع ملا انھوں نے سلطنت بہمنیہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، یہ آپ کا اقبال اور آپ کی شجاعت اور آپ کا تدبر تھا کہ آپ اپنے دشمنوں کے ہر وار سے محفوظ رہے اور ان کو جرائم کی خاطر خواہ سزا دینے میں کامیاب ہوتے رہے۔ پھر بھی جب آپ کے دشمن زیر ہو گئے تو آپ نے مدت العمر کے لیے تلوار نیام میں کر لی۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام اس بات کے زبردست شاہد ہیں۔

تلنگانہ اور بیجانگر آپ کے دشمن تھے، ان میں سے آپ نے تلنگانے کا خاتمہ کرکے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اور بیجانگر کو انتہائی طور پر مغلوب کر لیا۔ مال اور خزانے کے اعتبار سے اس درجہ سلطنت کو ترقی ہوئی جس کی مثال آپ کے خاندان میں نہیں ملتی۔ جس طرح آپ کو بیرونی دشمنوں کے مطیع و منقاد کرنے میں حیرتناک کامیابی ہوئی، اسی طرح اندرونی مفسدوں کی سرکوبی میں بھی آپ تعجب خیز طور پر کامیاب ہوئے۔

آپ کی حیرتناک جراءت و دلیری اگرچہ آپ کی زندگی کے ہر واقعہ سے

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی سپہ

ظاہر ہوتی ہے، لیکن ایک موقع ایسا ہے جو آپ کو بہت ہی بڑا دلیر اور غیر معمولی دل و دماغ کا بادشاہ ثابت کرتا ہے۔ یہ وہ موقع تھا جب کہ پانچ ہزار ہندوؤں نے آپس میں عہد کیا تھا کہ جب موقع پائیں گے آپ کو قتل کر ڈالیں گے، خواہ اس کے لیے کچھ ہی کیوں نہ ہو۔
ایک روز آپ شکار کھیلنے گئے اور ہرن کے پیچھے کئی کوس تک نکل گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ صرف دو سو تیر انداز تھے۔ اسی حالت میں وہ سب ہندو گھوڑوں پر سوار آتے دکھائی دیئے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک چار دیواری تھی جس کو کاشتکاروں نے اپنے مویشیوں کے لیے جنگل میں بنایا تھا۔ آپ نے اس طرف کا رخ کیا۔ راستے میں نالہ مل گیا جس سے آپ کو کچھ دیر ہو گئی، اتنے میں ہندو آپہنچے۔ آپ کے رفیقوں نے ہمت نہ ہار کر نہایت دلیری سے مقابلہ کرنا شروع کیا، دو سو سلطانی سپاہی زخمی ہو گئے اور قریب تھا کہ آپ کو بھی ہندو صدمہ پہنچائیں۔ اتنے میں سو مغل تیر انداز اور آ گئے اور ہندوؤں سے لڑنے لگے۔ اس فرصت میں آپ نہایت شجاعت اور دلیری سے چار دیواری تک پہنچ گئے۔ مسلمان دیوار پر چڑھ گئے اور پانچ ہزار ہندوؤں سے باوجود اپنی مختصر تعداد کے مقابلہ کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں عبد القادر جو آلحہ داروں کا افسر تھا، دو تین ہزار باڈی گارڈ کے سواروں کو لے کر آ گیا اور دشمنوں کو مار کر بھگا دیا۔ اس موقع پر آپ کا سراسیمہ نہ ہونا اور نہایت جواں مردی سے مقابلہ کرنا آپ کے عزم و استقلال کا پایندہ ثبوت ہے۔ چار دیواری میں پہنچ کر نہایت عمدگی سے مورچہ بندی کر کے مقابلہ کرنا اس بات کی دلیل تھی کہ آپ کے اندر غیر معمولی عقل، سپہ سالاری اور مدبری کے اوصاف بھی تھے، ورنہ ایسے نازک وقت میں بڑے بڑے ہمت والے گھبرا جاتے ہیں اور پریشانی کے سبب بے سر و پا تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔
آپ کو منجم عالم میر فضل اللہ شیرازی نے تیر اندازی، چوگان بازی اور سواری کی نہایت بہتر تعلیم دی تھی، اور تیر اندازی کا ایسا ذوق پیدا کر دیا تھا کہ آپ نے اپنے زمانے میں عراق، خراسان، ماوراء النہر، روم اور عرب سے مشہور تین ہزار تیر انداز طلب کر کے ملازم رکھا، اور اس فن کی ایسی سرپرستی کی جو کسی بہمنی سلطان نے نہیں کی تھی۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی سیرت

بہر حال آپ کی یہ غیر معمولی قابلیت سلاطین بہمنیہ میں خاص طور سے قابل توجہ ہے اور ایسی نہیں ہے جس کو نظر انداز کیا جاسکے۔

آپ کے زمانے کے مشہور مصری مورخ محمد بن ابی بکر عمر المخزومی الدمامینی اپنی کتاب منہل الصافی[1] بہ شرح الوافی کے دیباچے میں بعد حمد و نعت آپ کی سیرت کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ "جب میں ممالک مصر سے گجرات کی طرف آیا تو کتاب مختصر النحوی المسمی الوافی کی جانب اکثر اشخاص کا شوق شغف کثرت سے پایا اور انھوں نے مجھے بتایا کہ اس فن نحو کے مشکل معانی کے حل کے متعلق کوئی شرح اس وقت تک نہیں لکھی گئی تھی۔

بنابرآں رسالہ مذکور کی شرح لکھنے کی نسبت اکثر اشخاص نے مجھ سے خواہش ظاہر کی تھی۔ لیکن اُن کی خواہش کی تکمیل کے قبل ملک گجرات کو چھوڑنا پڑا۔

پھر میرا ارادہ حسن آباد (گلبرگہ) کی طرف سفر کرنے کا ہوا تاکہ اس کی مشہور خوبیوں کو معلوم کرسکوں، چنانچہ میں نے وہاں کے ایک گروہ کو اس شہر کی عظمت و شان کے اظہار کی جانب مائل و راغب پایا اور لوگ اس پر متفق تھے کہ اس ملک کا سلطان فضائل و بزرگی میں اپنے وقت کا امام اعظم نیز کاشف کرب و بلا اور سلاطین عرب و عجم کی پناہ گاہ ہے، خدائے تعالیٰ اس کے علم و سخاوت کی نہروں کو جاری رکھے اور اس کے مقاصد دینی و دنیوی بر لائے۔ اس کے افعال حمیدہ، اقوال پسندیدہ، اور مساعی جمیلہ میں حضرت عمرؓ کی حق پژوہی و معدلت نوازی کی جھلک نظر آتی ہے۔

رعایا خوش حال اور حالات پُرامن ہیں، اور ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو اس سلطان اعظم کا جانی دشمن ہو، یا جو اس کی دولت سے متمتع نہ ہوا ہو۔ ہر ناظر و سامع نے اس کو امام عادل ہی دیکھا اور سُنا اور اس کو نہایت شجیع، قوی، عالی وقار اور کُشادہ دست پایا۔ فی الحقیقت وہ ایسی سپر ہے جو تمام دلیروں کو ضعیف کر دے۔ اس کی کثرت جود و سخا سے ابر شرمندہ

---

[1] یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ عربی عبارت کا لفظی ترجمہ نہیں ہے، بلکہ اس کا مفہوم اردو میں بیان کیا گیا ہے۔

اور شیر اس کے دلیرانہ حملے سے عاجز ہے، وہ ایسا غازی ہے جس کے فتح و نصرت کے آثار عالم میں ہویدا ہیں، اور اس کے فضائل کے تذکروں کی دنیا میں دھوم ہے۔

سلطان ولی بہنی کی

خدائے تعالیٰ اس کے جہاد و قتال میں نصرت عطا کرے، اور اس کو ایسے علوم حاصل ہوں جن کے موتیوں سے صدف گوش مالا مال ہو جائے، اور ایسی فکر صحیح و نکتہ رس ملے جس سے دقیق مسائل حل ہو جائیں، اور حرکات و سکنات کے لطایف کا مذاق صحیح حاصل ہو، نیز ایسی شہامت عطا ہو جس کے عجائبات علی الاعلان ظاہر ہوں، اور شمشیر نطق اس کی تصدیق کرے، اور وہ شمشیر فی نفسہ زبان ہے جو فریضۂ جہاد و اعلاء کلمۃ الحق کی مصاحبت میں قایم ہو، اور سرکش کافروں کے ملک کو ویران اور بلاد اسلام کو آباد کرے، اور جس سے کلمۂ ایمان کی عزت اور بت پرستی کی ذلت ہو، اور اس کی سامعہ نوازی و لطیفہ سنجی سے قوت سامعہ و ناطقہ بہرہ اندوز ہو۔ اللہ تعالیٰ نعمت عدل کو اس پر ہمیشہ بحال رکھے اور اپنا احسان اس پر جس طرح ہے اسی طرح اس کو مخلوق کے ساتھ احسان کی توفیق عطا کرے، اور ہمیشہ اس کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر قایم رکھے جس طرح وہ اس کا اہل ہے اور اس کا ہر فعل منزہ و پاکیزہ ہے۔

نیز اس کے جسد و روح کو وہ سلطنت عظمیٰ سرفراز ہو جس سے خصائل شجاعت ظاہر ہونے لگیں اور اس کا آفتاب سعادت برج اسد میں نزول کرے تاکہ رعایا کے ساتھ اس کی رعایت سیاست بہ خوبی رہ سکے، اس کے فیصلوں سے توفیق رعایا کے نتائج اور اس کے کارناموں سے میزان عدل قایم ہو، اور ہدایت کے صحیح طریقوں کو پہچانے۔ فضل الٰہی ہمیشہ اس کے شامل حال ہو، اور عدل و انصاف و حقوق شناسی اس کا شعار رہے اور یہ دونوں اوصاف اس کے نام کے ساتھ شہرت کے لیے کافی ہیں۔ وہ ایک ایسا امام ہے جس کی سیرت عظمیٰ کے تذکرے شہرۂ آفاق ہونے کے علاوہ اس کے مناقب و مدحتیں مختلف زبانوں کے نظم و نثر میں منقسم ہو چکی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مکارم اس کی ذات پر ختم ہیں، بلکہ وہ ہر فضیلت کے خاتم سے بھی

سلطان احمد شاہ بہمنی کی سیرت

افضل و اعظم ہے۔

جب کوئی سیاح دور سے اس کے دربار میں حاضر ہونے کا قصد کرتا اور اس کے آستانۂ عالی پر مقیم و خیمہ زن ہوتا ہے تو اس کی رسیاں شہاب ثاقب بن کر اس کو راضی کر لیتی ہیں، یعنی اس کے خصائل حسنہ کے بدولت وہ (سیاح) اپنے مقصود اصلی کو پہنچ کر اس شہریار اعظم کی عظمت و جلال کے مشاہدے سے متعجب ہو جاتا ہے۔ انگشتری کو اس کی انگشتان سے زینت ہے جب کہ وہ اس میں مزین ہو۔ آنکھ اس کے دیدار سے منور ہوتی ہے، ہر دہن اس کے محامد میں رطب اللساں اور ہر قلم اس کا مداح و ثناخواں ہے حتے کہ لیل و نہار بہ حیثیت خادم اس کے مرتبۂ عالی کے اظہار میں سیر کناں ہیں۔

خدائے تعالیٰ اس کا مؤید ہو، اور اس کے مجد و بزرگی کو آسمان تک پہنچائے، بلکہ ثریا سے بھی بالاتر کر دے۔ اس کے فرمان کو بقائے دوام اور فرقد آسمان تک رسائی حاصل ہو۔

ہلال اس کے گھوڑے کی زین ہونے کا آرزومند ہے۔ اس کی خمیدگی حق ادائے خدمت کی روشن دلیل ہے۔ ہوا اس کے آسمان رفعت تک پہنچنے سے عاجز، اور ابر اس کی بارش کرم کی طرح برسنے سے قاصر ہے۔ رعد و برق اس کے دیرانہ حملۂ شدید سے لرزاں، اور نجوم دستارگان، اس کے نیزوں کی طرح شررفشاں ہیں۔ شفق گویا اس کے دشمنوں کا بہایا ہوا خون ہے، اور چاند اس کے لشکر ستارگان کا سردار، اور صبح اس کے نیام کی کھینچی ہوئی تلوار ہے۔ الحاصل وہ سلاطین جہاں کا آخر سردار ہے، بلکہ اُن میں بھی ایسا سردار اعظم ہے کہ اس کے مفاخر کے مقابلے میں دوسروں کے مفاخر معدوم ہو جاتے ہیں، یعنے وہ مولانا امیر المومنین امام المسلمین ابو الغازی شہاب الدنیا والدین سلطان احمد شاہ ہے، خدائے تعالیٰ اس کے سلک ممالک کو ملوکیت سے منتظم اور اس کے حدود اراضی کو اس کے قبض و تصرف میں ہمیشہ بحال و جاری رکھے۔

میں نے اس کے آستانۂ عالی پر حاضر ہو کر حُسنِ ارادت و عقیدت کے ساتھ اس کتاب کی تالیف میں غیر معمولی قوت صرف کی ہے تاکہ مشتبہات دور ہو سکیں۔

اس کتاب کا نام منہل الصافی فی شرح وافی رکھا گیا ہے۔ اس میں اصل کتاب وافی کی عبارت سلطان ا
کے ساتھ میں نے اپنی ذاتی عبارت بھی بہ غرض توضیح مطالب شریک دشامل کردی ہے۔ ولی بہمنی کا
یعنے سطور لیالی میں بخوم مطالب و معانی ظاہر کیے ہیں، اس کے حُسنِ تالیف اوراس کے
محاسن بخوبی روشن ہوسکیں گے۔ متن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو حل کیے بغیر
چھوڑ دیا گیا ہو۔ اس تالیف کو میں نے سلاطین جہاں کے سردار ممدوح کے پاس
اس امید کے ساتھ پیش کیا ہے کہ غربت کے مصائب دور ہوں، کیوں کہ اس کے
بذل و نوال کا مجھ جیسا غریب الدیار شخص ہی زیادہ حق دار ہے۔

خدائے تعالیٰ اس کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس کے جبلی خیر و کرم سے
میری شکستگی و غربت، دور ہو۔ اس کے بعد ناظر کتاب سے معذرت خواہ ہوں کہ اگر کوئی
لغزش محسوس ہو تو اس فقیر کی بے بضاعتی اور غربت و مسافرت کے پے در پے مصائب کے
ابتلا کے مدنظر درگذر فرمائے شہریار ممدوح کی باریابی نے میری صبح کامیابی روشن کردی ہے۔

باب ہشتم

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے آخری ایام

آپ نے ۸۳۲ھ ۱۴۲۹ء میں بیدار نظام الملک طرفدار سپہ سالار دولت آباد کی جگہ ملک التجار خلف حسن بصری کو دو ہزاری منصب دار بنا کر مقرر فرمایا اور بندر ابھول[2] اور تمام بندرگاہوں اور ساحلوں کا انتظام بھی اسی کے تفویض کیا اور اس کی جگہ میاں محمود نظام الملک کو جو بہت عقلمند اور لائق اور شیخ فرید شکر بار کی اولاد سے تھا وکیل السلطنت مقرر فرمایا۔[1]

آپ چونکہ بہت ضعیف ہو گئے تھے اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا تھا اس لیے ہر وقت غمگین رہنے لگے اور ۸۳۵ھ ۱۴۳۱ء میں جملہ کاروبار سلطنت میاں محمود نظام الملک کے تفویض فرمائے۔ ایک روز دربار شاہی سجا ہوا تھا، اعیانِ سلطنت اور ارکینِ دولت سب حاضر تھے، دفعتاً آپ کے دل میں ایک خیال آیا، صاحب زادوں کو طلب کیا اور سب کی طرف مخاطب ہو کر بولے، جب مالک اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے تو کیا کرنا چاہیئے؟ مجمع نے جواب دیا کہ سب کام چھوڑ کر اپنے مالک کا حکم بجا لانا چاہیئے، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ جناب الٰہی مجھے طلب فرماتے ہیں اور حضرت پیر و مرشد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی یاد دل میں ٹھیس اور کلیجہ میں درد پیدا کر رہی ہے۔ اب بس باغ عالم کی سیر سے دل سیر ہو گیا، فراق کی زیادہ تاب نہیں رہی، اور جام عمر لبریز ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ملک کے مختلف علاقوں پر فرزندوں کو

---

[1] برہان مآثر۔ لیکن فرشتہ نے اس واقعہ کو ۸۳۳ھ ۱۴۲۹ء میں ہونا لکھا ہے، اور میاں محمود نظام الملک کا ذکر نہیں کیا ہے۔
[2] یہ قرن صدی پہلے ملکِ دکن کی نہایت مشہور اور بارونق بندرگاہ تھی۔

حاکم[1] مقرر فرمایا۔ ولایت رام نگر، مدھول، کلم، برار، اور ولایت ماہور کا شہزادہ محمود خاں کو حاکم کیا۔

---

[1] - برہان مآثر، اور فرشتہ نے لکھا ہے کہ آپ نے ممالک محروسہ کو اپنے فرزندوں پر تقسیم فرمایا جو غلط معلوم ہوتا ہے کیوں کہ آپ خوب جانتے تھے کہ شرعاً مملکت شہزادوں پر تقسیم نہیں ہو سکتی اور مشہور بھی ہے کہ دو درویش در گلیمے بخسپند، و دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند پس آپ سے یہ توقع کرنی کہ آپ نے مملکت کو شاہزادوں پر تقسیم کیا ہوگا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے آپ کی غرض یہ تھی کہ آپ کے بعد تمام شاہزادوں میں اتفاق رہے اگر آپ مملکت کو تقسیم فرماتے تو بجائے اتفاق کے نفاق پیدا ہوتا اور ہر ایک مدعی سلطنت و وارث تخت و تاج بننے کے لیے کشت و خون کا بازار گرم کرتا میری تحقیق میں صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مملکت کو شاہزادوں پر تقسیم نہیں فرمایا بلکہ ان کو غیروں کی طرح خدمات اور عہدوں پر مقرر فرما کر جاگیریں عنایت کی تھیں اور ان سے کہا تھا کہ ولی عہد کو میں نے اپنا قایم مقام بادشاہ مقرر کیا ہے اس لیے تم سب اس کی فرماں برداری کیا کرو۔ تمام نے باپ کی نصیحت کو تسلیم تو کیا لیکن بعد میں اس کی تعمیل نہ کی۔

فرشتہ کی روایت کے مطابق آپ نے ۸۳۳ھ م ۱۴۲۹ء میں ولایت رام نگر، مدھول، کلم اور برار شاہزادہ محمود خاں کے سپرد کیا۔ شاہزادہ داؤد خاں کو تلنگانہ دیا۔ شاہزادہ علاءالدین کو ولی عہد کیا، اور چھوٹے شاہزادہ محمد خاں کو بڑے بھائی کا شریک کیا۔ لیکن برہان مآثر کا بیان ہے کہ آپ نے ۸۳۸ھ م ۱۴۳۵ء میں شاہزادہ علاءالدین کو جو کہ خلفِ اکبر تھا ولی عہد بنا کر اپنی جگہ بادشاہی دی۔ ولایت ماہور شاہزادہ محمود خاں کو۔ اور رائچور اور چیول (جو شہر بمبئی کے جنوب میں پہلے بہت مشہور بندرگاہ تھی، اب معمولی ساحلی قصبہ ہے) شاہزادہ داؤد خاں کو دئے۔ فرشتہ کا قول غلط، اور برہان مآثر کا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ آدمی وصیت اپنی آخری عمر میں کرتا ہے، نہ کہ جوانی میں، لہٰذا اس انتظام کے بعد آپ مہماتِ سلطنت سے سُبک دوش ہو کر عبادتِ الٰہی میں رات دن مشغول ہو گئے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ نے شاہزادہ محمود خاں کو ولایتِ ماہور کا طرف دار مقرر کر کے ولایتِ رام نگر، مدھول، کلم، اور برار کے علاقہ جات جاگیر میں دیا ہوگا۔ شاہزادہ داؤد خاں کو رائچور، اور چیول کا جاگیردار بنا کر طرف دار تلنگانہ مقرر فرمایا ہوگا۔ اور شاہزادہ علاءالدین والاشان کو کہ خلف الصدق و ولی عہد تھا اپنی جگہ بادشاہی دی! اور شاہزادہ محمد خاں کو بڑے بھائی کے ساتھ شریکِ شاہی کیا ہوگا جس کی تائید گذشتہ واقعات سے بھی ہوتی ہے۔

شہزادہ داؤد خاں کو رائچور و جیتول اور تلنگانے کا، اور شہزادہ علاءالدین والاشان کو کہ خلعت اکبر تھا ولی عہد بنا کر اپنی جگہ بادشاہی دی۔ اور چھوٹے شاہزادہ محمد خاں کو بڑے بھائی کے ساتھ شریک شاہی کیا اور یہ قسم لی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کریں۔ پھر ضروری وصیت اور سب کو اتفاق کی ہدایت کرکے دربار برخاست کیا اور گوشہ نشینی اختیار کرکے یادِ حق میں مشغول ہو گئے۔

اس کے چند روز بعد آپ ایک سخت مرض میں مبتلا ہوئے۔ اطبائے حاذق نے علاج میں انتہائی کوشش کی لیکن مرض، مرض الموت تھا اس لیے فایدہ نہ ہوا، اور حالت روز بہ روز خراب ہوتی گئی اور آپ نہایت ہی کمزور اور ناتوان ہو گئے۔ بیماری کے زمانے میں اکثر علما، فقرا آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اور احادیث و آیاتِ قرآن سنایا کرتے تھے۔ آپ شاہزادوں کو نصیحتیں کرتے اور فرمایا کرتے کہ تم سب اتفاق سے رہو گے اور بڑے بھائی بادشاہ کی اطاعت کرو گے تو سلطنتِ بہمنیہ قایم رہے گی، نہیں تو سلطنت کا خاتمہ ہو جائے گا اور تم تمام بھائی خراب و پراگندہ ہوں گے، بقائے سلطنت کی صورت میں تمام آسودہ حال رہیں گے۔ تمہیں آپس میں جنگ و جدال نہ کرنا چاہیے کیوں کہ اس میں طرفین سے مسلمان اور ہندو مارے جائیں گے، اس لیے اس کا نتیجہ درست نہ ہو گا۔ شاہزادے باپ کی نصیحتوں کو سنتے اور نہایت خوشی و رضا سے تسلیم کرتے تھے۔ آخر میں حالتِ عبادت میں ماہِ رجب کی اٹھائیسویں تاریخ ۸۳۸ھ م ستائیس فروری ۱۴۳۵ء میں بہ وقتِ شب واصل بہ حق ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات اور سنہ میں مورخین کا اختلاف ہے۔ مندرجۂ بالا تاریخ اور سنہ فرشتہ نے دی ہے۔ برہان مآثر کے مولف کا بیان ہے کہ آپ کی تاریخ وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے، بعض مورخوں نے ۲۵ سے ۲۸ رجب ۸۳۸ھ م ۱۸ سے ۲۷ فروری ۱۴۳۵ء تک آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے۔ ہفت اقلیم میں آپ کی تاریخِ وفات ۳ رجب ۸۳۹ھ لکھی ہے اور تذکرۃ الملوک کا بیان ہے کہ آپ نے ۸۴۳ھ میں اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت کی۔ طبقاتِ اکبری میں لکھا ہے کہ آپ نے ۲۰ رجب ۸۳۹ھ میں انتقال فرمایا اور بہ وقتِ انتقال کلمۂ توحید آپ کی زبانِ مبارک پر جاری تھا۔ آپ کی گنبد میں تاریخ و سنہ وفات جو دیا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا انتقال ۲۹ ذی الحجہ ۸۳۹ھ م ۱۵ جولائی ۱۴۳۶ء کو ہوا۔ گنبد میں جو تاریخ لکھی ہوئی ہے وہ قابلِ یقین اور صحیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ یہ سلطان علاءالدین احمد شاہ دوم کے زمانے کی لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا تمام حسبِ بالا سنہ اور تاریخ غلط ہیں۔ بیدر میں مشہور یہ ہے کہ آپ کا وصال ۲۸ رجب[1] کی شب کو ہوا تھا لیکن

---

[1] ممکن ہے کہ گنبد میں ماہِ وفات نقاش نے بہ جائے رجب کے ذی الحجہ لکھ دیا ہو گا، یا فرشتے کی روایت عوام میں مشہور ہو گئی ہو گی۔

سنہ وفات کے متعلق بھی مشہور ہے کہ آپ کا انتقال ۱۳۹۷ھ کو ہوا ہے۔ اس سے تمام ملک میں گھر گھر رنج و غم ہونے لگا، خاص خاندانِ بہمنیہ میں قیامت بپا ہوئی، اور ارکانِ دولت وارباب مملکت حسرت و افسوس کرنے لگے، رحلت کے بعد آپ کی تجہیز و تکفین نہایت تکلف سے ہوئی اور جنازہ گنبد میں دفن کیا گیا جو بیدر سے ایک کوس کے فاصلے پر موضع اشٹور کے میدان میں واقع ہے محبوب الوطن کے مولف نے بحوالہ تحفۃ السلاطین، لکھا ہے کہ جنازہ کے ساتھ خاص و عام کا ہجوم تھا، کوئی روتا تھا، کوئی سر پر خاک اڑاتا تھا، غرض تمام آپ کے احسانات یاد کرکے ماتم کرتے تھے۔

محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین دکن کے مولف نے تاریخ نظامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے تیسرے روز بہ تقریب فاتحہ سوم تمام علما، مشایخ، قضاۃ، حفاظ، شاہزادگان وارکین دولت اور ملازمین حشم و خدم آپ کی گنبد میں جمع ہوئے۔ دن کے دس بجے تک قرآن خوانی ہوتی رہی، ختم قرآن کے بعد حفاظ، علما و مشایخ وغیرہ نے فاتحہ پڑھی اور آپ کے لیے دعائے خیر کی۔ اس وقت کی رسم کے موافق تمام حاضرین کو شربت پلایا گیا گلاب پاشی کی گئی اور ہر ایک کو پان کی گلوریاں اور پھولوں کے گلدستے دیئے گئے اور مٹھائی تقسیم کی گئی۔

آپ کی مدتِ سلطنت کے متعلق بھی مورخین میں اختلاف ہے۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ آپ کی مدتِ سلطنت بارہ سال دو ماہ۔ برہان مآثر نے صرف بارہ سال طبقات اکبری نے بارہ سال نو ماہ بیس یوم اور ہفت اقلیم اور تذکرۃ الملوک نے بارہ سال نو ماہ چوبیس یوم بتائی ہے لیکن میری تحقیق میں آپ کی مدتِ سلطنت چودہ سال دو ماہ پچیس یوم ثابت ہوتی ہے۔[ا]

آپ کی صرف ایک بیوی تھی جس کے بطن سے فرشتہ کی روایت کے مطابق چار صاحب زادے علاء الدین، محمود خاں، داؤد خاں اور محمد خاں، اور تین صاحب زادیاں تھیں۔ ان صاحب زادیوں میں سے ایک میر نور اللہ بن شاہ خلیل اللہ سے منسوب تھی۔ دوسری شاہ حبیب اللہ بن شاہ خلیل اللہ سے، اور تیسری سید عبدالمومن نبیرہ مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری سے جنھیں سید اجل جلال خاں کا خطاب دیا گیا تھا۔ آپ نے شاہ حبیب اللہ کو قصبہ بیڑ اور سید عبدالمومن مخاطب بہ سید اجل جلال خاں کو نلگنڈہ جاگیر دی تھی۔

برہان مآثر میں لکھا ہے کہ آپ کے سات صاحب زادے تھے جن میں سے تین بڑے تھے، جنھیں خطابات سے سرفراز کیا گیا تھا، بڑے صاحب زادے کا نام

ا۔ یہ مدتِ سلطنت گنبد میں لکھی ہوئی تاریخ وفات ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ کے حساب سے نکالی گئی ہے۔

ظفر خاں[1] تھا جنھیں خانِ خاناں کا خطاب دیا گیا تھا جس نے بادشاہ ہونے کے بعد اپنا لقب علاالدین احمد شاہ دوم اختیار کیا لیکن فرشتہ سے اس کا پتہ نہیں چلتا، صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بڑے بیٹے کا نام علاء الدین تھا۔ دوسرے صاحب زادے کو محمود خاں[2] کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اور تیسرے کو محمد خاں[3] کے خطاب سے مفتخر فرمایا۔ اسی مولف نے جہاں شاہزادوں کو ممالک محروسہ کے مختلف حصوں میں جاگیریں اور عہدے دینے کا ذکر کیا ہے وہاں محمد خاں کا نام چھوڑ دیا ہے۔ اور داؤد خاں کا نام لکھا ہے اگر پہلے کے تین صاحب زادوں کے ناموں میں داؤد خاں کا نام بھی شامل کر لیا جائے تو آپ کے چار صاحب زادے ہوتے ہیں جس سے فرشتہ کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ اس مولف نے جو سات صاحب زادوں کا ہونا بیان کیا ہے ان میں سے چار تو حسب بالا صاحب زادے ہوئے اور باقی تین کے ناموں کا پتہ نہیں چلتا، البتہ اسی مولف کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تین صاحب زادیاں بھی تھیں جو میر نور اللہ۔ شاہ حبیب اللہ اور سید عبدالمومن سے بیاہی گئی تھیں۔ اس طرح آپ کے چار صاحب زادے، اور تین صاحب زادیاں ہوئیں اور آپ کی جملہ اولاد سات تھی۔ مولف موصوف نے بجائے آپ کے بیٹے اور بیٹیاں سات ہونا تحریر کرنے کے غلطی سے آپ کے سات بیٹے ہونا لکھ دیا ہوگا۔ پس میری رائے میں فرشتہ کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے اور برہان مآثر کی غلط۔

---

[1] سلطان محمد تغلق نے آپ کے جد اعلیٰ حسن کو ظفر خاں کا خطاب دیا تھا اور اس نے بادشاہ ہونے کے بعد اپنا لقب علاء الدین حسن اختیار کیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ آپ نے بھی اپنے جد اعلیٰ کے خطاب پر اپنے بڑے بیٹے کا نام رکھا ہوگا۔ لیکن ظفر خاں نے بادشاہ ہونے کے بعد اپنا لقب علاء الدین احمد شاہ دوم اختیار کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے بھی نام علاء الدین اور لقب ظفر خاں رکھا ہوگا، اور اس نے بادشاہ ہونے کے بعد لقب ظفر خاں ترک کر کے نام کے ساتھ احمد شاہ دوم کا لقب اختیار کیا ہو۔

فرشتہ کا اور برہان مآثر بہت بعد کی لکھی ہوئی تاریخیں ہیں۔ فرشتہ نے علاء الدین نام اور ظفر خاں لقب خیال کر کے لقب کو ترک کر دیا ہوگا اور صرف نام علاء الدین ہی اپنی تاریخ میں لکھا ہوگا۔ اور برہان مآثر نے ظفر خاں نام اور علاء الدین لقب خیال کر کے آپ کے بیان میں لقب کو ترک کر کے صرف نام ظفر خاں ہی استعمال کیا ہوگا اور بادشاہ ہونے کے بعد اس نے جو لقب اور نام اختیار کیا تھا اس کو اس کے حالات میں استعمال کیا ہوگا۔ بغرض ان دونوں مورخوں میں اس کے متعلق اختلاف ہے۔

[2،3] میری رائے میں یہ دونوں خطابات نہیں بلکہ نام ہیں اور برہان مآثر کے مولف نے بجائے نام کے ان کو خطاب لکھا ہے جو غلط ہے۔

باب نہم

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے زمانے کے صوفیا، علما، شعراء اور سیاح

آپ سادات، صوفیائے کرام، مشائخین عظام، علماء، فضلاء اور فقراء کی عزت و تعظیم کرتے اور ان سے حُسنِ عقیدت و صدق ارادت رکھتے تھے۔ سلاطینِ بہمنیہ شیخ سراج جنیدیؒ کے مرید ہوا کرتے تھے۔ لیکن آپ پہلے بہمنی سلطان ہیں جنہوں نے حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ حضرت کے دکن تشریف لانے کی کیفیت فرشتہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ ۸۱۵ھ میں مخبرانِ سعادت نشان نے فیروز آباد میں سلطان فیروز شاہ کے سمع مبارک میں پہنچایا کہ دہلی کی طرف سے ایک سیدِ عالی مقام عرش احترام حضرت سید محمد گیسو دراز بندہ نوازؒ دکن میں رونق افزا ہو کر حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچے ہیں۔ سلطان فیروز شاہ چونکہ ہمیشہ سے عالم اور مقدس بزرگوں کی خدمت کا خواہاں رہتا تھا، اس بشارت سے نہایت شاد ہو کر فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ میں آیا اور جمیع ارکانِ دولت اور اولاد کو استقبال کے لیے روانہ کیا اور بہ اعزاز و اکرام تمام اُن کو شہر میں لایا۔ لیکن بادشاہ حکیم سیاست تھا، جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو علمِ ظاہری میں اور خصوصاً معقولات سے خالی دیکھا تو حضرتؒ کی طرف اس نے زیادہ توجہ نہ کی۔ برخلاف اس کے آپ نے اعتقادِ تمام حضرت سے پیدا کیا اور صدقِ عقیدت اور خلوصِ ارادت سے حضرتؒ کے مرید ہوئے۔ بہ صرف زرِ کثیر حضرتؒ کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور ہمیشہ حاضرِ خدمت ہو کر اسرارِ معرفت کا سبق لیتے اور ہر محفلِ سماع میں شریک ہو کر نکاتِ تصوف سے محظوظ، اور توجہ حضرت سے بہرہ مند ہوتے تھے۔

(مقالہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی

سلطان احمد شاہ بہمنی کے زمانے کے
حضرت سید محمد بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ جنید وقت اور شبلی دہر تھے، لوگوں کو برکات اور فیوض سے مالا مال فرماتے تھے۔ کُل ملکِ دکن روحانی طور پر حضرتؒ کا مسخر تھا ......

(علمائے مشائخ اور سیاح)

حضرتؒ نے آپ کی نسبت بھی بادشاہی کی پیشین گوئی کی تھی۔

اس کی مفصل کیفیت باب دوم میں بیان کی گئی ہے۔

آپ نے بادشاہ ہونے کے بعد حضرتؒ کے اعزاز کو اور بھی بڑھایا اور حسن آباد گلبرگہ میں حضرتؒ کو ایک معقول جاگیر دی جو اب تک حضرتؒ کی اولاد میں برابر چلی آرہی ہے۔ آپ کے بادشاہ ہونے کے چند مہینے بعد حضرتؒ کا انتقال ہوا آپ کو بہت صدمہ ہوا، اور ہر وقت غمگین رہا کرتے تھے۔ آپ نے حضرتؒ کے مزار مبارک پر بہ صرف زرِ کثیر ایک نہایت عالی شان گنبد تعمیر کرایا، اور حضرتؒ کی اولاد کے ساتھ بھی آپ کا اعتقاد برابر جاری رہا، اور آپ ہمیشہ انھیں نذر و نیاز سے دیا کرتے تھے۔ غرض آپ کو یہ جلیل القدر مراتبِ سلطانی، اور ولایت حضرتؒ ہی کی دعا اور فیض و برکت سے حاصل ہوئے تھے۔ ......

آپ مشائخین باکمال کے معتقد اور ہمیشہ ان کی صحبت سے فیض کے طالب رہتے تھے، چنانچہ آپ نے جب شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کی شہرت سُنی تو شیخ حبیب اللہ جنیدی اُن کے مرید اور میر شمس الدین قمی کو بہت سے تحفے تحایف دے کر اُن کے پاس بھیجا کہ وہ ان سے دکن تشریف لانے کی درخواست کریں۔ شاہ نعمت اللہ نے آپ کے فرستادہ آدمیوں کی تعظیم و تکریم کی اور اپنے مرید ملا قطب الدین کو تاج دوازدہ ترک دے کر دکن روانہ کیا جب وہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے کہا کہ یہ وہی شخص ہے جس کو میں نے فیروز شاہ سے لڑتے وقت خواب میں دیکھا تھا۔ اگر اس کے پاس تاج دوازدہ ترک ہے تو میرے خواب کی تعبیر یہی ہے۔ ملا قطب الدین نے آپ کے قریب پہنچ کر سلام کیا اور شاہ نعمت اللہ ولی کی دعا کہی اور کہا کہ شیخ نے فرمایا کہ:۔ "فلاں تاریخ سے اس وقت تک میرے پاس تمہاری امانت موجود تھی، اس کو تم تک پہنچانے کا موقع نہیں ملا، اب شیخ حبیب اللہ کے آنے سے ایک صورت پیدا ہوئی اور مجھ پر واجب ہو گیا کہ تمہاری

امانت تم تک پہنچا دوں۔" آپ فرماتے ہیں کہ "یہ تقریر سُن کر مجھ پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی اور بالکل سلطان احمد متحیر ہو کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ تاجِ سبز دوازدہ ترک ہے تو اس میں شک و شُبہ کی ولی بہمنی کے گنجایش نہیں ہے۔" ملا قطب الدین نے قوتِ باطنی سے دریافت کیا اور کہا کہ: "اے بادشاہ اپنے صوفیا، علما، شہ دل میں خطرہ نہ لا، یہ تاجِ سبز دوازدہ ترک ہی ہے، اور میں وہی شخص ہوں جس نے ولایت پناہ کے حکم سے فلاں تاریخ عالمِ خواب میں تجھ کو یہ تاج دیا تھا۔" میں نے کہا "مناسب ہے" پھر ملا قطب الدین نے وہ تاج نکال کر دیا تو آپ نہایت خوش ہو کر بغل گیر ہوئے، اور تاج کو سر پر رکھا۔ شاہ نعمت اللہ ولیؒ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے خط لکھا تھا جس میں آپ کو عظیم الشان شہاب الدین احمد شاہ ولیؒ کے نام سے یاد کیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ منبروں پر اور فرامین میں ولی کے نام سے پکارا اور لکھا جائے، پھر آپ نے خواجہ عماد الدین سیمنانی، اور سیف اللہ حسن آبادی کو شاہ صاحب کے پاس بھیجا، اور اُن کے بیٹے کو بلایا، چونکہ ان کے ایک ہی بیٹے شاہ خلیل اللہ تھے، اس لیے انھوں نے اپنے پوتے میر نور اللہ بن شاہ خلیل اللہ کو روانہ کیا۔ جب میر نور اللہ بندرِ چول میں پہنچے تو اُن کی پیشوائی کے لیے سید محمد صدر و میر ابو القاسم جرجانی گئے اور دار الخلافت سے نکل کر آپ نے مع جمیع اُمراء و فرزندان اُن کا استقبال کیا اور ملاقات کے مقام پر ایک مسجد اور گاؤں نعمت آباد[1] بسایا، اور میر نور اللہ کو ملک المشائخ[2] کا خطاب دے کر ان سے اپنی صاحب زادی کا عقد کیا۔ جب ۸۳۴ھ م ۱۴۳۱ء میں شاہ نعمت اللہ ولیؒ[3]

---

[1] بیدر میں مانجرا ندی کے کنارے پر واقع اور مشہور مقام ہے، یہاں آپ نے قلعے کی بنیاد ڈالی تھی جو ابھی تک نامکمل ہے۔

[2] فرشتہ، اور برہان مآثر۔

[3] فرشتہ۔ برہان مآثر میں لکھا ہے کہ جب آپ کو شاہ نعمت اللہ ولیؒ کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے سخت افسوس کر کے ان کا عرس کیا۔ سادات، مشایخ اور علماء کے ساتھ خود بہ نفسِ نفیس لوازماتِ عرس کو انجام دیا، اس کے بعد مرزا نور اللہ کو تمام سادات اور مشائخین پر ترجیح دی۔ غرض آپ کو اور آپ کے جانشینوں کو حضرتؒ کی اولاد سے خاص عقیدت تھی۔

ان احمد شاہ فوت ہوئے تو شاہ خلیل اللہؒ اپنے باقی دونوں بیٹوں شاہ حبیب اللہ غازی اور شاہ محب اللہ کو
نی کے زمانے کے لے کر دکن چلے آئے۔ آپ نے شاہ حبیب اللہ غازی سے اپنی دوسری صاحب زادی کا عقد کیا
علما، شعرا، اور سلاج اور انھیں طبقۂ امرا میں داخل کر کے قصبۂ بیٹر جاگیر دی، اور بیٹر میں خانقاہ بنادی اور شاہ محب اللہ کو
شاہزادہ علاء الدینؒ کی بیٹی منسوب کی۔

آپ کے گنبد میں شاہ خلیل اللہ بت شکن کا شجرۂ خلافت لکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شاہ صاحب کے مرید اور خلیفہ تھے۔ گنبد میں شجرۂ خلافت اس طرح پر لکھا ہوا ہے کہ "سلطان احمد شاہ ولی بہمنی مرید اور خلیفہ تھے سید شاہ خلیل اللہ کے جو خلیفہ تھے سید شاہ نورالدین نعمت اللہ ولیؒ کے جو خلیفہ تھے کمال الدین الکوفی کے جو خلیفہ تھے الفتوح السعیدی کے جو خلیفہ تھے ابو المدین المغربی کے جو خلیفہ تھے ابو برکات ابو سعید الاندلسی کے جو خلیفہ تھے ابو الفضل البغدادی کے جو خلیفہ تھے شیخ احمد الغزالی کے جو خلیفہ تھے ابو بکر النشاخ کے جو خلیفہ تھے الشیخ ابو القاسم کے جو خلیفہ تھے ابو علی الکاتب کے جو خلیفہ تھے ابو علی رودباری کے جو خلیفہ تھے خواجہ جنید بغدادی کے جو خلیفہ تھے سر سقطی کے جو خلیفہ تھے معروف کرخی کے جو خلیفہ تھے داؤد طائی کے جو خلیفہ تھے خواجہ حبیب عجمی کے جو خلیفہ تھے خواجہ حسن بصری کے جو خلیفہ تھے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ بن ابی طالب کے جو خلیفہ تھے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔"

آپ سادات کی بے حد تعظیم و عزت کیا کرتے اور انھیں انعام و اکرام سے سرفراز فرما کر شاد کرتے تھے۔ سادات اگر آپ سے کسی کے بارے میں سفارش کرتے یا خود اپنی حاجت بیان کرتے تو

لہ۔ آپ کے انتقال کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ فرشتے کا بیان ہے کہ آپ بے حد انعام و اکرام سے فیض یاب ہو کر اپنے وطن کو گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ قبر ماہان میں ہے۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ آپ دکن سے اپنے وطن کو جانے کے لیے روانہ ہوئے لیکن راستے میں ہندوستان ہی میں فوت ہوئے، اور بیدر میں آپ کا چلہ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کا انتقال بیدر میں ہوا اور آپ کا مزار بیدر میں واقع ہے جس پر چوکھنڈی تیار کرائی گئی تھی جو آج تک بیدر میں سلاطین بہمنیہ کے گنبدوں سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر واقع ہے اور فنِ تعمیر کے لحاظ سے ہندوستان کے بہترین عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔

لہ۔ علاء الدین نے بادشاہ ہونے کے بعد اپنی بیٹی کے لیے بیٹر میں ایک عالی شان محل تعمیر کروا دیا تھا جس کی لاگت تین لاکھ ہن بتائی جاتی ہے، یہ محل اب تک شاہ محب اللہ کی اولاد کے قبضے میں ہے۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی، صوفیا، علماء

آپ اس کو کبھی رد نہیں فرماتے تھے۔ غرض آپ کو سادات سے ایک خاص محبت تھی اور ہمیشہ ان کا لحاظ رکھتے تھے چنانچہ فرشتہ، برہان مآثر اور طبقات اکبری میں مذکور ہے کہ آپ نے سید ناصر الدین کربلائی کو پانچ ہزار تنگے دیئے اور تیس ہزار تنگے کربلائی سیدوں کو تقسیم کرنے اور کربلا میں پانی کی نہر جاری کرنے کے لیے اس کے ساتھ بھیجے۔ راستے میں شیر ملک نامی امیر نے اس کی بے عزتی کی۔ جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے بہ لحاظ احترام سادات اس کو ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر مروا ڈالا[1]۔

آپ بزرگانِ دین سے دلی تعلق رکھتے تھے، چنانچہ آپ حضرت سید السادات سید محمد حنیفؒ کے بہت معتقد تھے، اور ان کے صاحبِ کشف و کرامات ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ سید صاحبؒ سیدِ صحیح النسب متوطنِ گیلان صوبہ ترکستان تھے۔ طفلی سے ظلِّ عاطفت میں اپنے مرشد حضرت خواجہ مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے رہ کر کمالات حاصل کیے، اور مرشد کی وفات کے بعد بیدر میں آکر مقیم ہوئے۔ مشہور ہے کہ آپ کے زمانے میں جب تخت محل تیار ہو رہا تھا اس وقت یکایک شہتیر جو نہایت قیمتی تھا اور بڑی مشکل سے وہاں تک پہنچا تھا ناپ میں کم ہو گیا، لوگ اس کے لیے متردد تھے، اتفاق سے حضرت سید صاحبؒ کا گزر ادھر سے ہوا، واقعات کے معلوم ہونے پر حضرتؒ نے اپنی چادر اس شہتیر پر ڈالی اور تھوڑی دیر بعد جب حضرتؒ نے چادر اٹھائی تو خدا کی قدرت سے وہ شہتیر ناپ میں حسب ضرورت بڑھ چکا تھا۔ حضرتؒ کی اس کرامت سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ آپ اکثر حضرتؒ کی ملاقات کو جایا کرتے اور حضرتؒ کی نصیحت کو نہایت رغبت کے کانوں سے سنتے تھے، اور حضرتؒ بھی اکثر اوقات آپ کے ہاں آیا کرتے تھے۔ حضرتؒ کا انتقال اسی برس کی عمر میں ۵ رجب ۸۲۹ھ میں ہوا۔ گنبد آپ کا بیدر سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے جہاں پانی کا چشمہ بھی ہے۔

آپ کے زمانے میں حضرت عبد الصمد عرف شاہ راجو مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ حضرتؒ سے آپ کو خاص عقیدت تھی، حضرتؒ کا وطن گلبرگہ تھا۔ حضرتؒ کے والدِ بزرگوار اور برادرِ نامدار

---

[1] اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ میں نے آپ کی سیرت کے باب میں بیان کیا ہے۔

احمد شاہ سرکار سلاطینِ بہمنیہ میں ملازم تھے۔ ان کے بعد حضرتؒ کو قضاتِ گلبرگہ ملی تھی سلطان فیروز شاہ بہمنی زمانے کے حضرتؒ کی بہت قدر کرتا تھا جس وقت حضرت خواجہ بندہ نواز حسینی رحمۃ اللہ علیہ رونق افروزِ گلبرگہ شعرا (ادر) سماج ہوئے تو حضرت خواجہ صاحبؒ کے حالات دریافت کرنے اور لیاقت وغیرہ کا اندازہ کرنے کے لیے سلطان نے حضرت عبدالصمدؒ کو اور خواجہ احمد زبیرؒ کو خواجہ صاحبؒ کے پاس بھیجا جب یہ لوگ خواجہ صاحبؒ کے پاس پہنچے تو پہلے ہی ملاقات میں خواجہ صاحبؒ کی صحبت کی برکت ان کے دلوں میں ایسی سرایت کرگئی کہ وہ خواجہ صاحبؒ کے گرویدہ ہوگئے، اور اپنے عہدوں سے فوراً دست بردار ہوئے، اور رات دن خواجہ صاحب کی صحبت میں رہنے لگے۔ حضرتؒ کو خواجہ صاحبؒ نے اپنی خلافت بھی عطا فرمائی تھی۔ حضرتؒ ان تیرہ[13] خلفائے خواجہ صاحبؒ میں سے ہیں جن کو بیدر میں خلافت ملی تھی۔ حضرتؒ مرشد کی رحلت کے بعد نہایت مضطرب و پریشان ہوگئے۔ چونکہ آپ کو حضرتؒ سے محبت تھی اس لیے آپ نے حضرتؒ کو بیدر میں اپنے پاس بلا لیا۔ حضرت بڑے عالم و فاضل، پابندِ شریعت، کشف و کرامات اور کمالاتِ ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ اکثر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کلماتِ نصیحت آمیز کو جواہر تصوّر فرماتے اور ان سے اپنے کو زینت دیتے تھے۔ حضرتؒ آپ کے انتقال کے بعد بھی کئی سال تک زندہ رہے۔ آپ کے بعد آپ کے ولی عہد نے بھی آپ کے دستور کے بہ موجب سلسلۂ ملاقات جاری رکھا اور اسی کے عہد میں حضرتؒ کا انتقال ہوا اور گنبد حضرتؒ کا فصیلِ بیدر کے قریب واقع ہے۔

آپ کے زمانے کے دیگر بزرگانِ دین[1] میں حضرت شاہ ظہیر الدینؒ عرف خوند زادے پاکؒ ہمشیرہ زادہ سید السادات سید محمد حنیفؒ اور شاہ مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ کمٹھانہؒ وغیرہ بھی صاحبِ کشف و کرامات گذرے ہیں۔

آپ علم و فضل کے زیور سے آراستہ تھے اور ہمیشہ علماء اور فضلاء کی صحبت سے اپنے آپ کو مستفید اور انھیں انعام و اکرام سے مالامال کیا کرتے تھے۔ آپ کی قدردانی نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانے کے تمام اہلِ کمال شعراء اور علماء و فضلاء دور دراز سے بیدر میں

لہ۔ ان حضراتؒ کے مفصل حالات کسی تذکرہ یا تاریخ میں نہیں ملے۔ تاریخ خورشید جاہی میں صرف صاحبِ کشف و کرامات ہونا لکھا ہے۔

کھنچ آئے، اور بیدر علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ اکثر علماء، فضلاء نے تو آپ کا احسان وفضل دیکھ کر سلطان اور بیدر کو اپنا اصلی وطن بنا لیا، اور بعض ایک مدت تک رہ کے نہایت کامیابی کے ساتھ آپ کے ولی بہمنی کے ز انعام واکرام سے فیض یاب ہو کر اپنے اپنے وطن واپس ہوئے۔ چنانچہ محمد بن ابو بکر المخزومی الدمامینی جو صوفیا، عظیم بش ادیب کامل اور عالم، فاضل تھا پہلے عرب سے گجرات آیا۔ گجرات میں چند ماہ قیام کیا، اسی دوران قیام میں علمائے گجرات سے بحث و مباحثہ کیا، کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ یہاں اس نے نحو، ادب، اور عروض کی تعلیم طلباء کو دینی شروع کی۔ اس کے پاس جوق جوق طلباء پڑھنے آتے اور مستفید ہوا کرتے۔ جب اس نے گجرات میں آپ کی تعریف اور قدردانی علماء، و فضلاء سُنی تو حسن آباد گلبرگہ آیا اور آپ سے ملا۔ آپ نے انعام واکرام سے اس کی ایسی قدر افزائی کی کہ وہ خوش ہو گیا۔ اس نے کتاب وافی کی شرح منہل الصافی شرح وافی لکھی[1]، اور اس کو آپ کے نام نامی واسم گرامی سے معنون کیا، اور دیباچے[2] میں بعد حمد وثنا کے آپ کی تعریف لکھی۔ آپ نے اس صلے میں اس کو اس قدر سرفراز کیا کہ اس نے دکن ہی کو اپنا وطن بنا لیا، اور گلبرگے ہی میں ۸۳۱ھ م ۱۴۲۸ء میں فوت ہوا۔ اس کا مقبرہ سلاطین بہمنیہ کے مقبروں کے قریب واقع ہے۔

آپ شعراء کی بھی قدر افزائی فرماتے اور انعام واکرام سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی قدردانی کی ندائے عام عجم کے مشہور شاعر شیخ آذری[3] کو بھی عجم سے دکن کھینچ لائی۔ اس کے دکن آنے کے بعد آپ نے امید سے زیادہ اس کی قدر افزائی کی۔ اس نے آپ کی مدح، شہر اور اس کی عمارتوں کی تعریف میں بیش بہا قصیدے لکھے اور اس کے صلے میں معقول رقم بہ طور انعام حاصل کی اور خطاب ملک الشعراء سے سرفراز ہوا۔ آپ کے حکم سے اس نے بہمن نامہ لکھنا شروع کیا اور جب آپ کے حالات تک پہنچا تو اپنی تصنیف آپ کے ملاحظہ میں پیش کی اور اپنے وطن واپس جانے کی اجازت مانگی۔ آپ نے کہا کہ مجھے حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے

---

[1] یہ کتاب قلمی ہے اس کے دو نسخے کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہیں۔

[2] یہ کتاب عربی میں لکھی ہوئی ہے میں نے اس کے دیباچے کا اردو مفہوم آپ کی سیرت کے باب میں شامل کیا ہے۔

[3] فرشتہ اور برہان مآثر۔

الان احمد شاہ اس عالم سے تشریف لے جانے کا جو صدمہ ہے وہ تمہاری موجودگی سے بہت کم محسوس ہوتا ہے۔ بہمنی کے زمانے کے برائے خدا مجھے اپنی جدائی کے رنج میں مبتلا نہ کرو۔ شیخ نے آپ کو اپنے پر اس قدر مہربان دیکھا تو یا، علما، شعراء اور سیاح دکن میں مستقل قیام کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا، اور اپنے بیٹوں کو بھی وطن سے بیدر بلا لیا۔ اسی اثنا میں بیدر میں شاہی محل جس کو تخت محل کہا جاتا ہے تعمیر ہوا، اور شیخ آذری نے حسب ذیل دو شعر اس قصر کی تعریف میں کہے۔

حبذا قصر مشید کہ ز فرط عظمت[1] آسماں صدۂ از پایہ ایں درگاہ است

آسماں ہم نتواں گفت کہ ترک ادب است قصر سلطان جہاں احمد بہمن شاہ است

ان کو ملا شرف الدین مازندرانی[2] نے جلی خط میں لکھا اور تلنگانہ کے سنگ تراشوں نے جو اپنے کام میں بڑے ماہر تھے اس قطعے کو ایک بڑے پتھر پر کندہ کیا، اور پتھر محل کے دروازے پر نصب کردیا۔ ایک روز آپ نے اس کو دیکھا اور شہزادہ علاء الدین سے دریافت فرمایا کہ یہ اشعار کس کے ہیں؟ شہزادے نے جواب دیا کہ یہ علامہ آذری کے ہیں، آپ نے ان کو بے حد پسند فرمایا۔ شہزادے نے اس موقع سے فایدہ اٹھا کر عرض کیا کہ شیخ آذری اپنے وطن کے دیدار کا بے حد مشتاق ہے، اور عرض کرتا ہے کہ اگر آپ اس کو اجازت دیں تو وہ اس کے شکریہ میں اپنے سابقہ حج اکبر کا ثواب آپ کو دے گا۔ آپ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور اس کو اپنے پاس بلایا، اور خزانچی کو حکم دیا کہ سو[3] ہزار تنکہ[4] عطا کئے جائیں۔ اس پر شیخ نے عرض کی کہ آپ کے عطیوں کو خود آپ ہی کے بار برداری کے جانور اٹھا سکتے ہیں، آپ ہنسے اور حکم دیا کہ اس کو

---

[1] اس شعر کو برہان مآثر میں اس طرح لکھا ہے؛ قصر معظم کہ ز فرط عظمت ؛ آسماں پا یہ مہ از سدہ آلہ، باقی حصہ اڑ گیا ہے۔ عمارت پر کے شعر کے دیکھنے سے فرشتے کی تائید ہوتی ہے۔

[2] ملا شرف الدین مازندرانی شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کا مرید، بڑا عالم و فاضل اور مشہور، بے نظیر خوش نویس تھا۔

[3] برہان مآثر، فرشتے نے لکھا ہے کہ آپ نے اس کو چالیس ہزار تنکہ دیا تھا۔

[4] تنکہ، بہمنوں کے زمانے کا چاندی کا سکہ تھا جو وزن میں ایک تولہ ہوتا تھا۔

اخراجاتِ سفر کے لیے اور پچیس ہزار تنگے دیے جائیں[1]۔ اس کے علاوہ شیخ کو خلعتِ خاص اور پانچ ہندی غلام بھی عنایت فرمائے۔ اور ملا شرف الدین[2] مازندرانی کو خوش خط لکھنے کے صلے میں آپ نے بارہ ہزار تنگے عنایت کیے۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے زمانے کے صوفیا، علما، شعرا

شیخ نے آپ سے جاتے وقت وعدہ کیا کہ جب تک وہ زندہ رہے گا بہمن نامے کی تصنیف جاری رکھے گا چنانچہ اس نے اپنی زندگی بھر بہمن نامہ اپنے وطن میں بیٹھ کر لکھا اور جب کسی قدر تیار ہو جاتا تو وہ وہاں سے آپ کے ہاں بھیج دیا کرتا تھا۔ سلطان ہمایوں شاہ بہمنی کے عہد تک بہمن نامہ اسی شاعر کا لکھا ہوا ہے اور بعد کے حالات ملا نظیری[3] و سامعی[4] اور دیگر شاعروں کے نظم کیے ہوئے ہیں جو سلطنتِ بہمنیہ کے خاتمے تک موجود تھے۔ بعض خود پرست شعرا نے یہاں تک اس کتاب میں تغیر کیا ہے کہ خطبۂ کتاب کے چند شعروں میں رد و بدل کر کے تمام کتاب کو اپنی ہی تصنیف قرار دے دی ہے۔ لیکن ان اشعار کے حسن و خوبی میں اختلاف ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تمام اشعار ایک شاعر کی فکر کا نتیجہ نہیں ہیں۔ یہ رائے فرشتہ نے اپنی تاریخ میں ظاہر کی ہے۔

فرشتہ نے شیخ آذری کے مزید حالات یہ بیان کیے ہیں کہ شیخ اپنے وقت کا مشہور شاعر اور فہم و فراست اور ذکاوت میں مشہورِ آفاق تھا۔ ایک وقت شیخ آذری، شیخ صدر الدین کے ساتھ الغ بیگ مرزا کی ملاقات کو مشہدِ مقدس گیا۔ مرزا نے شیخ صدر الدین سے دریافت کیا کہ تمہارا تخلص رواسؔ سین سے ہے یا ثے سے۔ شیخ نے جواب دیا کہ رواص ہے جس کا املا صاد سے ہے۔ مرزا نے جواب دیا کہ تم وہ نہیں ہو، اس لیے کہ یہ لفظ صاد سے کلام عرب میں منقول ہے۔

---

[1]۔ برہان مآثر۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ آپ نے اس کو سفر خرچ کے لیے بیس ہزار تنگے عنایت فرمائے تھے۔

[2]۔ برہان مآثر۔ فرشتہ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

[3]۔ یہ بہت بڑا شاعر اور لایق شخص گزرا ہے۔ اس کو ملک الشعراء کا خطاب تھا۔ محمود گاواں کی یہ بڑی عزت کرتا تھا، اور ان کو اپنا بزرگ سمجھتا تھا۔

[4]۔ یہ بڑا زبردست شاعر اور علامہ وقت گزرا ہے۔ محمود گاواں کا مصاحب اور اس کا مداح تھا۔ اس کے تفصیلی حالات کسی تاریخ میں نہ مل سکے۔

اس کے بعد الغ بیگ مرزا نے شیخ آذری سے دریافت کہ تمہارا تخلص آذری کس مناسبت سے ہے؟ لطان احمد شاہ
شیخ نے جواب دیا کہ، فقیر ماہ آذر میں پیدا ہوا ہے، اس لیے اس کا تخلص آذری ہے! مرزا نے جواب نا بہمنی کے زمانے کے
دیا کہ تم شاعر پیشہ نہیں ہو جس آذر کا تم ذکر کرتے ہو اس کے اوّل حرف کو ضمہ ہے نہ کہ فتح! شیخ نے فیائے علماء، شعراء اور سلیح
فی البدیہ جواب دیا کہ، ماہ آذر کی ذال عرصے تک ذلت وخواری کے عالم میں رہی یہاں تک کہ اس کی پیٹھ دوتا ہوگئی۔ لیکن پھر اسے ادراک وشعور حاصل ہوا، اور سیدھی قایم ہوگئی! مرزا شیخ کے جواب سے بہت خوش ہوا، اور اُن کو اپنے مصاحبوں میں داخل کر کے انعام واکرام سے ہمیشہ سرفراز کیا کرتا تھا ضعیفی میں شیخ پر تصوف کا رنگ غالب آگیا تھا، وہ اسفراین سے حجاز چلا گیا۔ حج اکبر اور زیارت آستانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب ہو کر آپ کے ہاں بیدر حاضر ہوا۔ شیخ نے آپ کی مدح میں بہت سے قصاید لکھے جن کے صلے میں انعام واکرام اور خطاب ملک الشعراء سے سرفراز ہوا، اور ایک عرصے تک بیدر میں رہنے کے بعد وطن کی محبت میں جیساکہ اوپر بیان کیا گیا شہزادہ علاء الدین کی کوشش اور سفارش سے اسفراین روانہ ہوا۔ اسفراین میں اس نے خیر خیرات بہت کی اور پھر اپنے وطن میں جا کر بہت سی سرائیں تعمیر کرائیں اور عبادتِ آلٰہی میں مشغول ہوا، یہاں تک کہ بیاسی سال کی عمر میں ۸۶۶ھ م ۱۴۶۲ء میں فوت ہوا۔ شیخ کی تصنیفات میں دیوان آذری، تاریخ انسان، کتاب عجایب الدنیا، جواہر الاسرار مشہور ہیں۔

ان کتب کے علاوہ شیخ آذری کے اشعار سے اس کے مذاقِ سلیم کا پتہ بھی چلتا ہے۔ یہ صوفیانہ نکات اور حکیمانہ نصایح سے اپنی شاعری کو زینت دیا کرتا تھا۔ یہاں چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن سے مذکورہ بالا خیالات کی بہ خوبی تصدیق ہوتی ہے۔

به مجلسے[1] که درِ و گنجِ بے بہا بخشند — ہزار افسرِ شاہی به یک گدا بخشند
دلا، به میکده هار وز و شب گدائی کن — بود که دُردکشاں جرعۂ بما بخشند
شدیم پیر به عصیاں و چشم آں داریم — که جرمِ ما به جوانانِ پارسا بخشند
غلامِ ہمتِ آں عارفانِ با کرمم — که یک صواب به بینند و صد خطا بخشند
به کوئے میکده از مفلسی چه غم دارم — که ساقیانِ ہمه جامِ جہاں نما بخشند
به نیم ساعتِ ہجر آذری نمی ارزد — ہزار سال گرش در جہاں بقا بخشند

[1] فرشتہ۔

ان کے علاوہ مولانا محمد گازرونیؒ، ملا احمد تزوینیؒ۔ میر ابوالقاسم جرجانیؒ، مولانا عبدالغنی باندویؒ، سلطان احمد شا مولانا نجم الدینؒ، مولانا احمد مقبولؒ، مولانا قاضی نظام الدین شرقیؒ، مولانا میاں محمود نظام الملک وغیرہ ولی بہمنی کے زمانے علماء، و فضلا بیدر میں جمع ہو گئے تھے۔ آپ نے انعام و اکرام اور عہدہ ہائے جلیل القدر سے صوفیاء علماء شعرا ان کی اس قدر عزت افزائی کی کہ انھوں نے بیدر کو اپنا وطن ہی بنا لیا اور ان کی اولاد دکنی اور

۱۔ یہ فیروز شاہ بہمنی کے زمانے میں گلبرگہ تشریف لائے تھے، بڑے عالم و فاضل تھے۔ فیروز شاہ نے ان کو اپنا مصاحب بنایا تھا، اور آپ کے زمانے میں بھی مصاحب رہے۔

۲۔ یہ فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں قزوین سے گلبرگہ آئے تھے، فاضل متبحر تھے انھوں نے علماء کے جلسے میں آپ کے اور فیروز شاہ کے استفسار پر سلاطینِ اسلام کی ترقی و تنزل کے اسباب پر ایک عالمانہ تقریر کی تھی، ان کی رائے میں زوال کے اسباب قیامِ شخصی و موروثی حکومت، سلاطین کی عیش و عشرت و عیاشی، آپس کی خانہ جنگی عہدہ داروں کی باہمی مخالفت، سلاطین کی خود غرضی، تعصبِ مذہب، اسلامی اصول پر قایم نہ رہنا، اعلےٰ خدمات پر جہلا کا تقرر، رعایا کی تالیفِ قلوب و ہمدردی نہ کرنا، دشمن نو مسلموں کا مسایلِ شرعیہ میں اختلاف پیدا کرنا ہیں آخر میں جمہوریت کی تائید کرتے ہوئے انھوں نے رائے دی کہ متعدد آراء کے مطابق اگر جمہوری اصول بنائے جائیں تو سلطنت کا قیام ممکن ہے، ورنہ نہیں۔

۳۔ یہ علمِ منطق میں کامل اور امام الوقت تھے آپ کے زمانے میں گلبرگہ آئے تھے۔

۴۔ یہ عالم تھے۔ آپ کے زمانے میں گلبرگہ تشریف لائے تھے۔ آپ نے انھیں صدر مقرر فرمایا تھا۔

۵۔ یہ بھی آپ ہی کے عہد میں گلبرگہ آئے تھے، عالم تھے۔ آپ نے انھیں مفتی مقرر کر کے عزت افزائی فرمائی تھی۔

۶۔ یہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے، انھیں آپ نے ملک العلماء کا خطاب دے کر صدر جہاں کے عہدے پر مقرر فرمایا تھا۔ یہ آپ ہی کے عہد میں بیدر آئے تھے۔

۷۔ یہ نبیرۂ سید اشرف تھے، انھیں آپ نے شرفِ جہانی کا خطاب عنایت فرمایا تھا۔ یہ بھی آپ ہی کے زمانے میں بیدر آئے تھے۔

۸۔ یہ شیخ بزرگوار شیخ فرید شکر بار کی اولاد سے تھے، یہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور عاقل گذرے ہیں، آپ نے انھیں ملک التجار خلف حسن بصری کی جگہ وکیل السلطنت مقرر فرما کر عزت افزائی کی تھی۔ یہ آپ ہی کے آخری عہد میں بیدر آئے تھے۔

ان احمد شاہ ہنی کے زمانے کے علما، شعرا، اور سیاح

معزز شمار کی جاتی تھی۔

تذکرۃ الملوک کے مولف کا بیان ہے کہ خواجہ عماد الدین محمود گاوان[1] خراسان سے آپ ہی کے عہد میں بہ غرضِ تجارت بیدر آئے اور دربارِ شاہی میں داخل ہو کر اپنی قابلیت سے خدمت دیوانی پر مامور ہوئے اور چار بادشاہوں کی خدمت انھوں نے انجام دی۔ اور ہمیشہ خیر خواہی اور نیکی سے مہماتِ سلطنت انجام دیا کرتے۔ یہاں تک کہ آخر محمد شاہ بن ہمایوں شاہ بہمنی کے زمانے میں انھوں نے شہادت پائی اور اپنا نیک نام دنیا میں چھوڑا۔

غرض آپ کے مبارک عہد میں صوفیائے کرام، مشائخینِ عظام، بزرگانِ دین، علما، و فضلائے دہر، شعرائے نام دار اور سیاحوں کی وجہ سے دار السلطنتِ بیدر علوم و فنون کا مرکز اور رشکِ فارس و عراق بن گیا تھا۔ دنیا کا کوئی اہلِ کمال ایسا نہ تھا جو بیدر میں موجود نہ ہو۔ اور وہ آپ کی نوازشوں سے سرفراز نہ ہوا ہو۔ آپ کے عہد کی مشہور تالیف صرف دو کتابیں "بہمن نامہ"، اور "منہل الصافی شرح وافی" ہیں۔ آپ کے زمانے کی علمی ترقیوں پر دکن، جس قدر بھی ناز کرے کم تھا۔ کیوں کہ انھی ترقیوں کی وجہ سے دکن اور سلطنتِ بہمنیہ کا نام تمام اسلامی دنیا میں روشن ہو گیا۔ اور اسلامی ممالک میں آپ کی اور آپ کی سلطنت کی جو قدر و منزلت تھی اس کی مثال دنیا میں ملنی مشکل ہے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ اور برہان مآثر کے بیان کے مطابق خواجہ عماد الدین محمود گاوان آپ کے ولی عہد سلطان علاء الدین احمد شاہ دوم بہمنی کے آخری عہد میں بہ غرضِ تجارت بیدر تشریف لائے تھے۔ اور چار سلاطینِ بہمنیہ یعنے سلطان علاء الدین احمد شاہ دوم، سلطان ہمایوں شاہ بہمنی، نظام شاہ بہمنی اور محمد شاہ بہمنی میں عہدۂ دیوانی پر مامور رہے اور بہت سے کارِ نمایاں سلطنتِ بہمنیہ کے قیام اور استحکام کے لیے انجام دیئے۔ آخر ۸۸۶ھ میں شہید ہوئے۔ تذکرۃ الملوک کا بیان ہے کہ وہ آپ کے عہد میں بیدر تشریف لائے اور چار بادشاہوں کے زمانے میں رہ کر شہید ہوئے، غلط ہے اگر آپ کو ملایا جائے تو محمد شاہ پانچواں سلطان ہے اگر سلطان علاء الدین احمد شاہ دوم سے شمار کیا جائے تو محمد شاہ چوتھا سلطان ہے۔ پس اسی کے بیان سے اس کی تردید برہانِ مآثر اور فرشتہ کی تائید ہوتی ہے۔ ان کے مفصل حالاتِ زندگی کتاب محمود گاوان میں لکھے گئے ہیں۔

باب دہم

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد میں فنونِ لطیفہ کی ترقی

ہر قوم کے فنِ تعمیر سے اس کی ضروریات کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ تیرھویں اور چودھویں صدی کے اسلامی فنِ تعمیر سے مذہبی اور عمرانی ضروریات کا پتہ چلتا ہے۔ مسلمان دوسرے ممالک کی طرح جب ہندوستان آئے تو وہ اپنے ساتھ فنی روایات بھی لیتے آئے اور اس فن کے شوق کو نمایاں کیا۔ بادشاہوں اور امیروں نے اس کے ارتقاء میں خاص دلچسپی لی چنانچہ ہندوستان آنے کے بعد سب سے پہلے مسلمان حکمرانوں نے بہترین معماروں اور ماہرین فن کی سرپرستی کی اور ہندوستان میں پہلے سے جو فن موجود تھا اُسے اپنے فن میں شامل کر کے ایک نئی چیز پیدا کی اور اس طور سے جو طرزِ تعمیر یہاں قایم ہوئی اس کی مثال ان کے دیگر مفتوحہ علاقوں میں نہیں ملتی۔ مسلمانوں کی ابتدائی جماعتی زندگی کا اقتضاء یہ تھا کہ اپنے فنِ تعمیر کے ذریعے اپنے آپ کو ظاہر کریں چنانچہ انھوں نے اپنے فن کے ذریعے سے اپنی جماعتی زندگی کا اظہار کیا۔ ہندوستان میں ابتداءً مسلمان فاتح کی حیثیت سے آئے تھے اس لیے ان کی ابتدائی عمارات میں جماعتی زندگی کے ساتھ ساتھ قوت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے چنانچہ قطب الدین سے لے کر سلطان التمش تک کے فنِ تعمیر میں یہ عنصر قایم رہا۔ مثال کے طور پر ان کے عہد کی مسجد قوت اسلام، اور قطب مینار پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد خلجی عہد شروع ہوا جس میں امن اور استقلال حاصل ہو گیا تھا، اس لیے اس زمانے کے فن میں قوت کے ساتھ آرائش کے عنصر کا بھی اضافہ کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس زمانے کے فن تعمیر میں قوت اور آرائش کے

احمد شاہ کے عہد میں فقہ کی ترقی

عنصر ملے ہوئے ہیں۔ اس عہد کی عمارتوں میں نقش و نگار دیواروں اور کمانوں پر کسی قدر پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد عہدِ تغلق شروع ہوتا ہے۔ محمد تغلق کی فتوحات کا سلسلہ بہت وسیع تھا، اس لیے اس کے عہد میں بہت کم عمارتیں تعمیر ہوئیں ہیں۔ اس کے بعد فیروز تغلق کے زمانے میں سلسلۂ فتوحات موقوف ہوگیا اور امن و امان رہا لیکن اس نے اپنے زمانے کی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے بہت سی کم خرچ عمارات بنوائیں، ان عمارات میں قوت اور آرایش کے ساتھ ساتھ جمالیات کے عنصر کا بھی اضافہ کیا گیا تھا جو نمایاں طور پر ظاہر ہے۔

دکن جب تک خاندانِ خلجی اور تغلق کے تحت رہا اس کے فنِ تعمیر میں ان ہی کی نقل کی جاتی تھی اور ان ہی کے وضع کی عمارتیں تعمیر ہوا کرتی تھیں۔ محمد تغلق کے ہاتھ سے جب دکن نکل گیا اور خود مختار سلطنتِ بہمنیہ قایم ہوگئی تو اس نے خاندانِ خلجی اور تغلق کے فنِ تعمیر کی نقل کرنی چھوڑ دی، اور دکن کی مقامی خصوصیات کو اس نے برقرار رکھا اور اپنے اثر اور اپنی فاتحانہ شان کو اس میں شامل کر کے ایک جدید طرز پیدا کی جو بہمنی طرزِ تعمیر کے نام سے ہندوستان میں مشہور ہوئی۔ ان کے فنِ تعمیر میں آرایشی اور جمالیاتی عنصر پایا جاتا ہے۔

بیدر کے اسلامی فنِ تعمیر کی ابتدا و آپ ہی سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ خاندانِ بہمنیہ کے نویں بادشاہ تھے اور دکن میں سلطنتِ بہمنیہ کو قایم ہوئے کافی عرصہ گذر چکا اور استحکام بھی حاصل ہوگیا تھا، لیکن بیدر کو آپ ہی نے آباد کیا تھا چونکہ آپ اپنی کثیر فتوحات کی وجہ سے ایک فاتحانہ شان رکھتے تھے اس لیے بیدر کے فنِ تعمیر میں آرایشی اور جمالیاتی عنصر کے ساتھ ساتھ فاتحانہ شان کو بھی نہایت نمایاں طور پر ظاہر کیا۔ آپ کے زمانے کے فنِ تعمیر میں ایک خاص خصوصیت یہ پائی جاتی ہے کہ آپ نے مقامی اور ایراقی فنِ تعمیر سے مدد لے کر اس کو ایک ایسا جامہ پہنایا کہ اُس میں تمام عہدوں کے فنِ تعمیر کی خصوصیات پائی جاتی ہیں، لیکن وہ کسی سے نہیں ملتا، کیوں کہ اس کا طرز بالکل جدا اور نیا ہے، اس لیے وہ احمد شاہ کے زمانے کا بیدری فنِ تعمیر کے نام سے مشہور ہے۔

جس شخص نے یورپ کے قرونِ وسطٰے کے فوجی فنِ تعمیر کا مطالعہ کیا ہوگا وہ بیدر کے قلعے کو دیکھ کر کہے گا کہ یہ یورپ کے فنِ تعمیرِ قلعہ کی نقل، یا یوروپین معماروں اور انجینیروں کی

مدد سے تعمیر کروایا گیا ہوگا۔ لیکن ان دونوں باتوں کا بھی پتہ کسی تاریخ سے نہیں چلتا۔ البتہ اس کا سلطان ا
پتہ چلتا ہے کہ آپ کی قدر دانی سے اہلِ فن دکھماں بیدر میں جمع ہو گئے تھے اور ترکستان، قسطنطنیہ، دلی بہمنی کے
بغداد، ایران، عرب، روم اور شمالی ہندوستان کے نامی گرامی کاریگر بیدر میں آپ کے ہاں فنونِ لطیفہ
موجود تھے۔ آپ نے ان کے صلاح اور مشورے سے ان چیزوں کو اپنے ہاں کے فنِ تعمیر میں شامل کیا
جو مقامی حالات و روایات کے لحاظ سے قلعوں کی تعمیر کے لیے ضروری تھیں۔ آپ نے اپنے
فنِ تعمیر میں جہاں قوت کے اظہار کی ضرورت تھی وہاں اس کا اظہار کیا ہے، اور جہاں
غیر ممالک کے فنِ تعمیر کے نقل کی ضرورت تھی اس کو اپنی خاص وضع میں ڈھال کر شامل کیا ہے۔
اس طرح پورے فنِ تعمیر کو ایسا بہتر بنایا کہ وہ خاص دکنی فن معلوم ہوتا ہے۔

غرض آپ نے قلعوں، عمارتوں اور گنبدوں کی تعمیر کی۔ ان میں ایک خاص طرز پیدا کی
اور اس کے تحت اپنی تمام عمارات کو تعمیر کرایا۔ آپ کے زمانے کی عمارتوں کے دیکھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ ان میں خاص کر ایرانی اثرات بہت ہیں اور وہ ایرانیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔

فنِ تعمیر کے علاوہ آپ نے فنِ نقاشی اور خوش نویسی کی بھی سرپرستی کی اور اس کو
اس قدر ترقی دی کہ اس کی مثال دکن میں ملنی مشکل ہے۔ اسلامی دنیا، اور خاص کر ایران کے
اکثر مشہور خوش نویس اور نقاش آپ کی قدر دانی کا شہرہ سُن کر بیدر میں جمع ہو گئے تھے، ان کی
وجہ سے بیدر میں ایسے ایسے نقاش پیدا ہوئے جن پر دکن جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔ آپ کے
زمانے کا مشہور نقاش شکر اللہ قزوینی[1] اور مشہور خوش نویس ملا شرف الدین مازندرانی ہے۔
آپ نے اپنی داد و دہش اور قدر دانی سے ان کا دل بڑھایا تھا۔

آپ نے ۸۲۹ھ سے ۸۳۰ھ م ۱۴۲۵ء سے ۱۴۲۶ء تک ایلچپور میں ایک سال قیام
کر کے قلعۂ گاویل از سرِ نو تعمیر ایا[2] اور قلعۂ نرنالہ کے حصار کی مرمت کرائی جو گجرات، خاندیس
اور مالوہ کی سرحد پر واقع تھے۔

---

[1]۔ اس نقاش کا نام آپ کے گنبد میں لکھا ہوا ہے اور گنبد کے اندر کی تمام نقاشی اسی کی کی ہوئی ہے۔

[2]۔ فرشتہ۔

ن احمد شاہ
ی کے عہد میں
طیفہ کی ترقی

بیدر کا مشہور و معروف قلعہ ارک کہلاتا ہے۔ یہ نہایت ہی مستحکم اور خوش نما عمارت ہے۔ مشہور معماروں اور لایق کاری گروں نے اسے اس طرح سے نہایت ہی محفوظ اور آپ کی قابلِ قدر یادگار بنانے کے لیے چھ[1] سال لگاتار کوششیں کیں۔ یہ قلعہ نہایت مستحکم و پائیدار اور سیاہ پتھر اور چونے سے تیار کیا گیا ہے۔ اس کا دور تین میل اور حصار کی بلندی پچاس فٹ ہے۔ اس کی خندق بہت ہی عریض یعنے پچھتر فٹ چوڑی اور پینتالیس فٹ عمیق ہے، اور اس میں یہ جدت کی گئی ہے کہ قلعے کے دروازے اور اکثر ان برجوں کے سامنے جن پر حریف کے حملے کا خوف ہو خندق میں بعض جگہ ایک ایک اور بعض جگہ دو دو مستحکم دیواریں ایسی بنائی گئی ہیں کہ ان سے خندق دو تین حصوں میں منقسم اور محصور ہو گئی ہے۔ ان دیواروں کا ابتدائی اور انتہائی حصہ حصارِ قلعہ سے ملا دیا گیا ہے! وران میں پانی کی آمد و رفت کے لیے دروازے بنا دیئے گئے ہیں۔ اس لیے قلعے کے اطراف دو دو اور تین تین خندقیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان دیواروں پر اکثر چھوٹے چھوٹے بُرج بھی بنا دیئے گئے ہیں اور قلعے سے وہاں آمد و رفت کے لیے بہ قدرِ ضرورت راستے بھی تیار کیئے گئے ہیں۔

قلعے کے دروازے کے سامنے تھوڑی دور تک اس قسم کی تین خندقیں ہیں اور ان کی درمیانی دیواروں پر کئی بُرج ہیں، اور ہر بُرج پر توپیں موجود ہیں۔ قلعے کا حصار نہایت ہی پختہ ہے، اس میں بیدر کا نرم پتھر نہیں لگایا گیا ہے بلکہ دور دراز مقامات سے بہ صرفِ زرِ کثیر صاف، سیاہ پتھر منگوا کر اس کی تعمیر کی گئی ہے۔ حصار کنگرہ دار ہے اور اس پر برج اور تلبریاں بہت خوش نما بنائی گئی ہیں۔ ان کی بلندی پندرہ گز ہے۔ قلعے کے تین دروازے ہیں، پہلا دروازہ گو اونچا اور پائیدار بھی ہے مگر اس پر کسی قسم کا نقش و نگار نہیں ہے، اور نہ چینی کے حروف میں کسی قسم کی تحریر ان پر نمایاں ہے۔ البتہ اس کی دائیں پشت پر آہنی تختی کا ایک کتبہ ہے جو اورنگ زیب کے زمانے کا لکھا ہوا ہے، اس دروازے تک پہنچنے کے لیے اسی سابق الذکر خندق پر سے گزرنا پڑتا ہے، یہاں اس پر پختہ پل بنا ہوا ہے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی

---

[1] تاریخ خورشید جاہی میں ڈھائی سال لکھا ہے جو غلط ہے۔ فرشتہ اور برہان مآثر کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد میں فنونِ لطیفہ کی ترقی

دو طرف پختہ کمرے[1] ہیں جو غالباً جوانانِ پہرہ کی نشست گاہ ہوں گے۔ ان کے ساتھ ہی قلعے کا دوسرا دروازہ نظر آنے لگتا ہے، یہ دروازہ بھی شان دار ہے۔ اس پر شرزہ کی دو مورتیں ہیں۔ اوپر چینی کے نقش و نگار ہیں، بالائی حصے پر چینی سے خطِ طغرا میں کتبہ لکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محمود شاہ بن محمد شاہ بہمنی کے زمانے کا بنایا ہوا ہے۔ اس دروازے کے دونوں پٹ علٰحدہ ہو گئے ہیں۔ پہلا دروازہ "شرزہ دروازہ" کہلاتا ہے، حالانکہ مورتوں کے لحاظ سے دوسرا دروازہ اس نام کا مستحق تھا۔

دوسرے دروازے سے برجوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جن میں سے بعض ایسے ہیں جو خندق کی درمیانی دیواروں پر بنائے گئے ہیں، اور اُن کے نیچے سے خندق کا کچھ حصہ کاٹ کر نکالا گیا ہے، یہاں سے تیسرا دروازہ کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ یہ دروازہ بھی مثل دوسرے دروازوں کے شان دار ہے اور اس پر ایک بہت بڑا اور نفیس گنبد بنا ہوا ہے جس کی مناسبت سے یہ "گنبد دروازہ" کہلاتا ہے، مگر اس پر نقش تحریر وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اس کے متصل اسی وضع کی تین خندقیں ہیں، اور اسی تراش و خراش کی سنگی حصار ہے جیسا کہ پہلے دروازے کے پاس ہونا بیان کیا گیا ہے، گویا اصل قلعہ اسی دروازے سے شروع ہوتا ہے۔ پہلا اور دوسرا دروازہ اصل قلعے میں داخل نہیں ہے، بلکہ قلعے کی محافظت کے لیے سنگی حصار[2] اور

---

[1] ۔ آج کل ان کمروں میں غریب لوگ رہتے ہیں۔

[2] ۔ حصار قلعہ پر اور اس کے کثیر التعداد عظیم الشان برجوں پر پانچ پانچ، چھ چھ گز کی توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک جگہ سات گز کی بھی توپ موجود ہے، ان تمام توپوں پر آدھے آنچ کے موٹے حروف میں قرآن پاک کی آیتیں و کلمات طیبات بادشاہِ وقت کا القاب، تاریخ بنا، گولے کی مقدار اور ہدایتیں خطِ طغرا میں کندہ ہیں، اور ان میں عمدہ سونا بھرا گیا ہے۔ زیادہ نگرانی نہ رہنے کی وجہ سے بعض خود غرض اور نا عاقبت اندیشوں نے اکثر جگہ کا سونا نکال لیا ہے خصوصاً حروف کے اطراف جو سونے کی جدول اور نقش و نگار تھے ان میں اب مطلق سونا باقی نہیں رہا ہے۔ باقی چھوٹے چھوٹے برجوں پر ہر قسم اور ہر وضع کی چھوٹی توپیں رکھی ہوئی ہیں، یہ توپیں آپ کے بعد کے زمانے کی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ جو مشہور ہے کہ قلعۂ بیدر کی بعض بڑی بڑی توپوں میں گدھا جاتا ہے اور پھر واپس آ جاتا ہے، یا یہ کہ آدمی اس کے اندر بیٹھ کر شملہ باندھ سکتا ہے، محض لغو ہے۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد میں فنونِ لطیفہ کی ترقی

خندقوں کے ساتھ بنایا گیا ہے اِس دروازے کے ساتھ ہی شاہی محلات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو بعد کے تعمیر شدہ معلوم ہوتے ہیں۔

ان محلات کے قریب ایک شاندار اور خوش نما وسیع مسجد واقع ہے اس کو "سولہ کھم کی مسجد" کہتے ہیں، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ محراب اور منبر کے دونوں بازو دو طویل دالان ہیں اور ان میں پختہ اور بالکل مقررہ فاصلے پر سولہ کھم نصب ہیں۔ ان میں سے ہر ایک گول کھم کا قطر چار فٹ تین انچ ہے، اور کل مسجد ۲۹۵ فٹ لمبی اور ۷۷ فٹ چوڑی ہے۔

مسجد کا عرض چار دالان در دالان پر ختم ہوتا ہے، مگر ہر دالان اس عظیم الشان عمارت کے پیش دالان سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا۔ محراب والا حصہ گنبد نما اور زیادہ تر بلند ہے، اور اس کی وسعت عرض میں دو دالان اور طول میں چار کھم کے برابر ہے۔ اب صرف یہی حصہ آباد ہے جو پیش دالان کے ساتھ بقیہ مسجد سے علیحدہ کر لیا گیا ہے۔ اس غرض کے پورا ہونے کے لیے پیش دالان میں جو دیواریں بنائی گئی ہیں، حال کی ہیں، اور ان میں کئی عالم گیری عمارات کے کتبے نصب کر دیئے گئے ہیں۔ بازو کے دالان ویران چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ستون اس صنعت سے بنائے گئے ہیں کہ جس پہلو سے دیکھا جائے وہ ایک ہی شمار اور ایک ہی قطار میں نظر آتے ہیں۔ مسجد کی چھت پر نہایت عالی شان گنبد بنا ہوا ہے جس پر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں موجود ہیں۔ گنبد نما حصے کے سامنے موذن کے لیے ایک جگہ بنا دی گئی ہے، اور وضو کرنے کے لیے آہنی خزانہ نصب کر کے اس میں ٹوٹیاں لگا دی گئی ہیں جو حال کی معلوم ہوتی ہیں۔

اس مسجد کے قریب ہی آپ کا عظیم الشان "تخت محل" جس کو آپ نے اپنی نشست اور دربار کے لیے بنایا تھا عبرت کی مجسم تصویر بنا ہوا ایک کھنڈر کی صورت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی بے ثباتیٔ عالم کے نقشے صفحۂ دل پر کھنچ جاتے ہیں اور وہ لا زوال قوت یاد آجاتی ہے جس نے عشرت کدے کو عبرت کدہ بنا دیا ہے۔ اس محل کی ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور گری ہوئی چھتوں کا ڈھیر اب تک اس عظمت وشوکت کا ضامن بنا ہوا ہے، اور قسم قسم کی رنگین دیواروں کی محفوظ مٹی اس کی رعنائی کا پورا پورا ثبوت دے رہی ہے۔ بعض دیواریں اور کمرے اب تک بھی باقی ہیں، مگر بے حد شکستہ حالت میں ہیں۔ محل کا عظیم الشان دروازہ

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد میں فنونِ لطیفہ کی ترقی

ان کی رفاقت کر رہا ہے، اور آپ کی سلطنت کی عظمت وسطوت کی بولتی ہوئی تصویر ہے۔ اس کی شان دار اور بلند کمان اپنے طرز میں ایرانی شان لیے ہوئی ہے، اور اُن ماہرینِ تعمیر کی یاد دلاتی ہے جو آپ کے زمانے میں دور و دراز ممالک اور خصوصاً ایران سے آکر اپنی کاری گری کی یادگار ہیں سرزمینِ بیدر پر چھوڑ گئے تھے۔ اس محل میں متعدد چیزیں ایسی موجود ہیں جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں بیدر اور سرزمین دکن پر ایرانی اثرات مختلف شکلوں میں بہ خوبی قایم ہوئے تھے، چنانچہ کارکاشی کے نمونے اب بھی اس محل کے مختلف حصوں میں جگہ جگہ باقی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عمارت کی عمارت بوقلمون رنگوں کے روغن دار اینٹوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ روغن کی چمک اور جلا ابھی تک اس طرح قایم ہے کہ دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کاری گر ابھی کام کر کے گیا ہے۔

یہ وہی عمارت ہے جو ۸۳۶ھ م ۱۴۳۲ء میں تیار ہوئی تھی، اس پر ایک جگہ شیخ آذری کا حسب ذیل قطعہ کندہ ہے جو اس نے اس کی تعریف میں کہہ کر مورد الطافِ شاہی ہوا۔

حبذا قصرِ مشید کہ زِ فرطِ عظمت	آسماں سدہ از پایہ ایں درگاہ است
آسماں ہم نہ تواں گفت کہ ترکِ ادب است	قصرِ سلطانِ جہاں احمد بہمن شاہ است

اور دوسری جگہ ایک شیر بنا ہوا ہے جس کے پیچھے سے آفتاب نمودار ہو رہا ہے۔ یہ شیر اور آفتاب بالخصوص ایرانی علامات ہیں اور یہ بھی ایرانی اثر کو صاف صاف نمایاں کرتی ہیں۔

تختِ محل اور اس کے اطراف میں عمارات کے نشانات بہ کثرت پائے جاتے ہیں، کچھ عرصہ قبل اس کے اطراف کا تمام حصہ ناگ پھنی سے ڈھکا ہوا تھا، لیکن سررشتۂ آثار قدیمہ کی توجہ سے تمام قلعے کو ناگ پھنی اور خود رو پودوں سے پاک وصاف کر دیا گیا ہے۔ نیز تختِ محل اور اس کے اطراف میں اکتشافی (کھدائی) کام کیا جا رہا ہے جو نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ مختلف مقامات پر زمین میں سے بڑی بڑی عمارتوں کی دیواریں اور بڑے بڑے ہالوں کے کھنڈر نکلے ہیں جو غالباً شاہی دربار کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ تختِ محل اور اس کے اطراف میں اعلیٰ قسم کی شاہی عمارات تھیں۔

تختِ محل کے عقب میں ایک مقام ہے جو "ہزار کوٹھری" کے نام سے مشہور ہے

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد میں فنونِ لطیفہ کی ترقی

یہ سطح زمین سے بہت بلند ہے، اور کچھ عجب نہیں کہ اس کے نیچے بڑے بڑے تہ خانے ہوں۔ اس مقام پر جدید اکتشافات میں دیواروں کے جو حصے برآمد ہوئے ہیں ان پر بھی کارکاشی کے بہترین نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر ملک میں تاریخی تحقیقات اور قدیم آثار سے دلچسپی کی رفتار یہی رہی تو قریب ہی میں کچھ عجب نہیں کہ آپ کے اور بہمنیوں کے متعلق اس قلعے اور اس کے اطراف وجوانب میں معلومات کا نہایت مفید انکشاف ہوگا۔

قلعے میں متعدد باولیاں اور ایک تالاب بھی ہے، جس کو تالاب پھکنڈہ[1] کہتے ہیں۔ اس کے اطراف ترکاریوں وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ یہاں کی ہوا بہت ہی صاف اور یہاں کا نظارہ بہت ہی دل خوش کن ہے۔ اس کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی ہے جس کو

---

[1] اس تالاب کو آپ نے قلعے کی تعمیر کے ساتھ بنوایا تھا۔ اس کی مفصل تفصیل میں نے پایہ تخت کی تبدیلی میں بیان کی ہے۔

اس تالاب کے کنارے شمالی حد پر ایک قدیم مگر چھوٹا سا دیول ہے اس کو "دیول و یر سنگپا" کہتے ہیں۔ راجہ امر سنگھ والیِ ورنگل جس کے زیر حکومت بیدر تھا، سال میں ایک مرتبہ ضرور یہاں پوجا کے لیے آتا تھا۔ دیول کے عقب میں گو کوئی برج نہیں، مگر نو گز کی توپ رکھی ہوئی ہے۔ اس کا قطر صرف ڈیڑھ گز ہے۔ تالاب کے شرقی کنارے پر ایک چھوٹا سا پرانا قلعہ ہے، اس کی بنا اسی راجہ امر سنگھ نے ڈالی تھی جب آپ نے بجائے گلبرگے کے بیدر کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا تو اسی چھوٹے قلعے کے متصل یہ عظیم الشان قلعہ ارک تعمیر کرایا۔ اسی راجہ امر سنگھ کے زمانے کی دوسری یادگار وسط شہر بیدر میں ایک قدیم مینار قایم ہے جس کے چاروں طرف کشادہ سڑکیں ہیں اور یہ نام "چوبارہ" موسوم ہے اس مینار پر سے بیس بیس کوس تک کا جنگل نظر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مینار ایک بہت بڑے عالی شان مندر کا چراغ دان تھا جس کو راجہ نے بصرف کثیر تیار کرایا تھا۔

بادشاہانِ اسلام کی بے تعصبی کی یہ ایک اعلےٰ نظیر ہے کہ آپ نے اس چھوٹے سے قلعے اور مینار کو قایم اور برقرار رکھا۔

سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد فنونِ لطیفہ کی

"دال ڈھوڑی" کہتے ہیں۔

بیدر سے دو تین میل کے فاصلے پر آپ کا آباد کردہ قریہ نعمت[1] آباد واقع ہے۔ آپ نے یہاں ایک مسجد اور قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ یہ قلعہ نامکمل حالت میں اب تک موجود ہے، اس مقام کے قلعہ اور مسجد کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں آپ نے تمام شہزادوں اور امیروں کے ساتھ آکر میر نور اللہ بن شاہ خلیل اللہ کا استقبال کیا، اور ان کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ شہر میں لے آئے اور اس مقام پر جہاں شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی تھی شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کے نام پر قریہ موسوم بہ "نعمت آباد" آباد کر کے ایک مسجد اور قلعے کی بناء ڈالی جو آپ کے زمانے میں تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

آپ کا گنبد بیدر سے ایک کوس کے فاصلے پر موضع اشٹور کے میدان میں واقع ہے، یہ گنبد گلبرگہ شریف کے گنبدوں کے مشابہ ہے لیکن ان سب سے عالی شان اور نہایت خوش نما ہے۔ اس کی کرسی ہر ایک جانب پانچ فٹ ہے، اس کی ہر ایک دیوار بارہ فٹ موٹی ہے اور اور اس میں چار چار کمانیں ۲۷، ۲۷ فٹ اونچی ہیں۔ گنبد کی رفعت زمین سے ایک سو بیس فٹ ہے اور طول اور عرض ساڑھے ساٹھ فٹ ہے۔ اس کے اندر رنگ بہ رنگ کے نقش و نگار ہیں جو ایرانی طرز کے ہیں اور اپنی بہترین طرز اور عمدہ رنگ کی وجہ سے ہندوستان میں لاثانی ہیں، طلائی طغرے قابلِ دید ہیں۔ فارسی اشعار اور عربی آیات نہایت خوش خط تحریر کی گئی ہیں۔ یہ تمام نہایت چمک دار، سرخ یا گہرے نیلے رنگ کی زمین پر ہیں۔ فارسی اشعار اور عربی آیات نہایت خوش خط دنیا کے تمام معلومہ طرزِ تحریروں میں یعنے خطِ کوفی، طغرا اور نسخ وغیرہ میں لکھی ہوئی ہیں۔ اوپر کے حصے یعنے چھت میں جہاں خطِ کوفی میں آیاتِ قرآنی طلائی حروف میں لکھے ہوئے ہیں، وہاں بہ جائے نقطوں کے ہیرے نصب ہیں جو تاریکی میں یا دھوپ کے وقت مانند آئینے کے چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ان جواہرات اور کتبوں کی جلا امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کچھ مدھم سی ہو گئی ہے، لیکن اب بھی دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کرتی اور حیرت میں

---

[1] فرشتہ۔

ن احمد شاہ　ڈالتی ہے ۔ اس گنبد کے عالی شان دروازے پر بھی یہی آیاتِ قرآنی خطِ طغرا میں لکھی ہوئی ہیں۔
ن کے عہد میں　اس کے علاوہ گنبد کے باہر جہاں چونے کے پھول اور نقش و نگار ہیں ان میں بھی آیاتِ قرآنی
ِ لطیفہ کی ترقی　تحریر ہیں۔ اندرونِ گنبد کا تمام کام آپ کے زمانے کے مشہور نقاش شکر اللہ قزوینی کا
کیا ہوا ہے ۔ یہ کام آپ کے عہد کی نقاشی اور خوش نویسی کا بہترین نمونہ ہے، جس کی مثال
دکن میں نہیں ملتی ۔ اس نقاشی اور تحریروں میں ایک طرف شاہ خلیل اللہ کا شجرۂ خلافت
اس طرح پر لکھا ہے :۔

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ علی مرتضیٰ بن ابی طالب ۔ حسن بصری حبیب عجمی ۔ داؤد طائی ۔
معروف کرخی سرسقطی ۔ جنید بغدادی ۔ ابو علی رود باری ۔ ابو علی الکاتب ۔ ابو عثمان المغربی ۔
الشیخ ابو القاسم ۔ ابو بکر انشاخ ۔ احمد الغزالی ۔ ابو الفضل البغدادی ۔ ابو برکات ابو سعید الاندلسی ۔
ابو مدین المغربی ۔ الفتوح السعیدی ۔ کمال الدین الکوفی صلح البربری عبداللہ الیافعی ۔
شاہ نور الدین نعمت اللہ ولی ۔ شاہ خلیل اللہ ۔ سلطان احمد شاہ ولی البہمنی۔"

اس کے علاوہ دوسری طرف آپ کا سن و تاریخ وفات ۲۹ ذی الحجہ ۸۳۹ھ نقاش شکر اللہ قزوینی کا
نام اور حسب ذیل فارسی اشعار لکھے ہوئے ہیں ۔ اس کے علاوہ صدہا آیات قرآنی اور
فارسی اشعار ہیں جو بلندی اور امتدادِ زمانہ کی وجہ سے پڑھے نہیں جاتے :۔

تا محیط دیدہ بر ز موج عشق　　ہفت دریا را چو سیلی دیدہ ام
نعمت اللہ یافتم در ہر وجود　　با ہمہ عشقی و میلی دیدہ ام
نعمت اللہ در ہمہ عالم یکیست　　لا تجد مثلی و مثلی لا یجد

اس گنبد کی تیاری کے متعلق دو روایات مشہور ہیں ۔ ایک یہ کہ آپ نے اس کو اپنے زمانے میں
تعمیر کروایا تھا ۔ دوسرے یہ کہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے ولی عہد سلطان علاء الدین احمد شاہ دوم نے
تختِ سلطنت پر جلوس فرماتے ہی آپ کے گنبد کی تعمیر شروع کرائی تھی، مگر تاریخ و سنہ وفات
گنبد کے اندر تحریر ہونے سے یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ اندر کا تمام کام اور نقاشی
علاء الدین احمد شاہ دوم نے کرائی تھی، کیوں کہ تاریخ و سنہ وفات انتقال کے بعد
تحریر کی جاتی ہے، نہ کہ پہلے، اور یہ خیال بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ تمام نقش و نگار اور

کام آپ ہی نے کروائے ہوں گے، اور اس میں آپ کے انتقال کے بعد علاءالدین احمد شاہ دوم نے سلطان احمد ولی بہمنی کے
تاریخ و سنہ وفات کا اضافہ کرایا ہوگا۔

فنونِ لطیفہ

غرض یہ گنبد اس وقت تیار ہوا جب بیدر شباب پر تھا، اور شاہانہ بہمنیہ اپنے نشۂ سلطنت میں سرشار تھے، اور تہذیب و تمدن کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ اس کی تیاری میں لاکھوں روپیے صرف کیے گئے اور زمانے کی صناعی اور اعلیٰ کاری گری اس میں ختم کی گئی۔ چنانچہ یہ گنبد بیدر کے کُل گنبدوں میں جو بادشاہوں نے بنوائے ہیں نہایت ممتاز اور قابلِ دید شمار کیا جاتا ہے۔ اکثر سیّاحوں اور ماہرین کا بیان ہے کہ ایسا لاجواب اور خوش نما کام ہندوستان بھر میں کسی عمارت میں نہیں ہے، اس کی رفعت و شان اور سنہری نقش و نگار اس کے بانیوں کی ترقی و ہنر مندی اور کمال کو یاد دلاتے ہیں گو امتدادِ زمانہ نے ان عالی مقام بادشاہوں کی یاد دل سے بھلا دی ہے لیکن اب بھی یہ گنبد اُن کے عظمت و جبروت اور کارہائے نمایاں کی یاد تازہ کرتا ہے۔

دنیا میں بہت سے آثارِ قدیم کس مپرسی کا شکوہ کرتے کرتے ویران اور بے نشان ہو چکے ہیں، لیکن اقبال خداوندی آقائے ولی نعمتی حضرت اقدس و اعلیٰ کی وجہ سے جب سے کہ سررشتۂ آثارِ قدیمہ قایم فرمایا گیا ہے یہاں کے کُل گنبدوں کی ترمیم و درستی ہونے لگی ہے، اور اُن کو محفوظ اور برقرار رکھنے کی تجاویز عمل میں لائی جا رہی ہیں۔

آپ کے زمانے کی دیگر مشہور عمارتوں میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور عالی شان اور قابلِ دید گنبد گلبرگہ میں ہے اِس گنبد شریف کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے دو سال بعد آپ نے تعمیر کرایا تھا جو سات سال کی مدت میں مکمل ہوا تھا۔ یہ گنبد بھی بہت بڑا اور بلند ہے، لیکن آپ کے گنبد کے جیسا بلند نہیں ہے۔ اس کے اندر طلائی کام اور آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی ہیں، لیکن یہ کام آپ کے گنبد کے کام کے جیسا نہیں ہے۔

یہ تمام حسب بالا عمارات اور قلعے آپ ہی کے عہد میں تعمیر ہوئے تھے، اور ان میں آرائش اور نمائش کے وہ تمام عنصر بہ درجۂ کمال پائے جاتے ہیں جو ابتدا میں بیان کیے گئے ہیں، اور یہ تمام دکن کی بہترین صناعی کا نمونہ ہونے کے علاوہ مسلمانوں کے عمارتی مذاق کی

ترجمان اور ملکِ دکن کے گذشتہ عظمت و جلال کے نشان ہیں۔ یہ وہ مایۂ ناز باقیاتِ سلف ہیں جن کی خوبیاں مغربی سیّاحوں اور آثارِ قدیمہ کے مبصروں کو دکن کی پُر اسرار سر زمین میں ایک زمانے سے کھینچ کھینچ کر لا رہی ہیں۔ چونکہ یہ یادگارِ سلف آثار ایک عظیم الشان قومی میراث کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ان کی حفاظت و صیانت کی تدابیر میں سرکارِ عالی کی قابلِ تحسین فیاضیاں کارفرما ہیں۔

باب یازدہم

بہ حیثیت ولی ہونے کے سلطان احمد شاہ ولی بہمنی سے دکنیوں کی عقیدت

آپ کے گنبد[1] کے خادموں کو متعدد گاؤں بہ طور جاگیر دیے گئے تھے۔ لیکن اب کوئی گاؤں خادموں کے پاس نہیں ہے۔ امتدادِ زمانہ اور تغیرِ حالات سے سب کے سب گاؤں شریکِ خالصہ ہو گئے ہیں، اب صرف چند بیگے زمین باقی ہے جو چھ خادموں میں باہم منقسم ہے۔ یہاں سرکار سے ایک داروغہ اور چھ خادم مقرر ہیں اور سالانہ عرس کے لیے ایک سو تیس روپیے عطا ہوتے ہیں۔ داروغہ کو ماہانہ دس روپیے اور چھ خادموں کو ماہانہ چار چار روپیے تنخواہ بہ مد یومیہ چو ماہا صدر خزانہ بیدر سے ملتی ہے اور روشنی کے لیے ماہانہ چھ روپیے ملتے ہیں۔ شب میں گنبدوں میں روشنی اور روزانہ صفائی کی جاتی ہے۔ یہاں ان خادموں کی اولاد وغیرہ کو ملاکر تقریباً سو نفوس کی آبادی ہے، اس قلیل تنخواہ پر ان لوگوں کی گذر نہیں ہوتی ہے اس لیے پیٹ پالنے کے لیے اکثر اور پیشے کرتے ہیں۔ بعض ملازم ہیں، اور بعض گنبد کے آستانے پر سر لگائے پڑے رہتے ہیں۔

---

[1] ۔ گنبد کے مفصل حالات "سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے زمانے کا فنِ تعمیر" میں بیان کیے گئے ہیں۔

یہ حیثیت ولی ہونے کے خاص و عام میں آپ کا گنبد نہایت عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے جو عہدہ دار یا سلطان احمد شاہ امیر یا سیاح بیدر آتا ہے وہ آپ کے گنبد میں ضرور حاضر ہوتا ہے۔ اور نگ زیب جیسے ولی بہمنی سے اولوالعزم اور زبردست بادشاہ کو بھی اس گنبد ذی شان کے آستانے پر سر نیاز دکنیوں کی عقیدت جھکانے میں کوئی عار نہیں ہوا۔ قلعہ داران بیدر اور تعلقداران ضلع دل سے آپ کے ارادت مند اور معتقد اور ہمیشہ ادب سے فاتحہ پڑھتے اور نذریں چڑھایا کرتے رہے ہیں۔

عرس آپ کا سال بھر میں ایک دفعہ ہولی کے بعد ہوتا ہے۔ آپ کی وفات بہ اعتبارِ روایت مقامی ۲۸ رجب ۸۳۹ھ کو ہوئی، اس لیے آپ کا صندل ہر سال اسی تاریخ کو ہوتا ہے، اس کو صندلِ خاص کہتے ہیں۔ مگر عرس اس تاریخ کو نہیں ہوتا، کیوں کہ مسلمانوں کے قمری مہینے کبھی کسی موسم میں آجاتے ہیں اور کبھی کسی موسم میں، اور اس طرح زایرین اور مسافرین کو جو اضلاع اور دیہات سے آتے ہیں اور جو خاص کر زراعت پیشہ ہوتے ہیں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے یہ قرار پاگیا ہے کہ عرس ہر سال ہولی کے بعد ہوا کرے، کیوں کہ ان دنوں میں زایرین زراعت کا کام ختم کر کے فارغ ہوتے ہیں۔ پس جس قمری مہینے میں ہولی آتی ہے اس مہینے کی بیس تاریخ کو عرس کے رسومات کا آغاز ہوتا ہے، یعنے اس تاریخ کو گنبد پر روشنی کرنے کے لیے چڑھنے کو سول یعنے موٹا رسا ڈالا جاتا ہے۔ سول ڈالے جانے کی تاریخ سے دور و نزدیک سے لوگوں کی آمد شروع ہوتی ہے اور دکانیں بھی قایم ہونی شروع ہوتی ہیں۔

موضع ماڈھیال ضلع گلبرگہ سے ایک جنگم[1] دو تین سو آدمی، کئی اونٹ اور کئی گھوڑوں

---

[1] قوم لنگایت کے مذہبی پیشوا کو جنگم کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ موضع ماڈھیال میں آپ کا چلہ ہے جہاں یہ جنگم یہاں سے جانے کے بعد عرس کیا کرتا ہے۔ اس کو اس کے لیے زمینات اور رسوم بھی سرکار سے مقرر ہیں۔

کے ساتھ اسی تاریخ کو آتا ہے۔ یوں تو رسومات عرس کا آغاز اس کے نہ آنے سے رکتا نہیں بہ حیثیت لاہو
لیکن جب تک یہ نہ آئے ہنود نہیں آتے، اس کے آتے ہی ہر طرف سے سلطان احمد شاہ
ہزار ہا مخلوق زیارت اور حصول مراد کے لیے آتی ہے۔ یہ جنگم لوازم شاہی ونا بہمنی
یعنے ماہی مراتب، آفتاب گیروں اور جھنڈے اور باجے سے یہاں آکر ہر روز دکنیوں کی عقید
درگاہ میں سنکھ پھونکتا، ناریل پھوڑتا، اور درگاہ شریف کے اندر مزار پر
پھول چڑھاتا اور فاتحہ پڑھتا ہے۔ اس جنگم کی ظاہری حالت ایک صوفی منش کی سی ہے۔
سر پر کلاہِ مشایخی اور جبہ پہنے ہوئے، پیر میں کھڑاویں، ہاتھ میں عصا اور کاندھے پر
کمل رکھتا ہے، اور ڈاڑھی شریعتِ اسلامی کے بہ موجب بڑی سی اور لبیں تراشیدہ
بالکل مسلمان شیخ بنا ہوا، کر و فر سے آتا ہے۔ مسلمان تو اس کے چنداں معتقد نہیں لیکن
ہنود اس سے بہت اعتقاد رکھتے اور ہندوؤں سے اس کو بہت آمدنی ہوتی ہے،
ہر ہندو مرد یا عورت اپنی حسب حیثیت پیسہ، دو پیسے نذر کر کے اس کی قدم بوسی
حاصل کرتا ہے اور یہ ۲۶ تاریخ کو واپس چلا جاتا ہے۔ اس کے جانے کے دوسرے روز سے
عرس کا اختتام شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ایک قدیم سلسلہ ہے جو اس کے آبا و اجداد سے
چلا آتا ہے لیکن اس کی اصلیت کیا ہے اور کیوں یہ دستور قدیم سے ہے اس کا کچھ
پتہ کسی تاریخ سے نہیں چلتا ہے۔ لوگوں کے اس کے متعلق مختلف بیانات ہیں لیکن
چونکہ وہ سب پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اس لیے میں ان کو یہاں
تحریر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

۲۲ تاریخ کو سرکاری صندل قلعۂ بیدر سے نکل کر جلوس کے ساتھ درگاہ پر آتا ہے۔
جمعیت پولیس و نظم، بیانڈ باجہ اور عہدہ دارانِ سرکاری وغیرہ صندل کے ساتھ رہتے ہیں۔
مالی، کوتوالی اور عدالتی عہدہ داران توقیر عرس کے لحاظ سے اختتامِ عرس تک
حوالیٔ گنبد میں خیمہ جات نصب کرا کر قیام پذیر رہتے ہیں، اور پولیس کا خاص انتظام
ہوتا ہے، رات اور دن سپاہی گشت کرتے رہتے ہیں، اگر کوئی قصور یا شرارت کے
باعث قابلِ سزا ہوتا ہے تو اس کا چالان کر کے سزا دلائی جاتی ہے۔

یثیت ولی ہونے کے　۲۲ر سے ۲۵ر تاریخ تک عرس نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ ہر طرف سے
سلطان احمد شاہ خلقت اس کثرت سے آتی ہے کہ جس کا کچھ حد و حساب نہیں۔ ہر قسم کی دکانیں اور ہر قسم کا
لی بہمنی سے　سودا اور تفریحی سامان نہایت افراط سے مہیا ہوتا ہے۔ عرس میں چار روز تک
نو تکی عقیدت　میلہ نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے، درگاہ سے لے کر سلطان محمود شاہ بہمنی کے
گنبد تک دونوں طرف دکانیں قرینے سے لگتی ہیں اور چار پانچ روز تک رونق
رہتی ہے۔ ان تاریخوں میں ہر رات چراغان ہوتا ہے جس سے گنبد کا احاطہ
اور اوپر کا حصہ جہاں روشنی کی جاتی ہے جگمگ جگمگ کرتا ہے۔ اس روشنی سے جو
کیفیت اس مقام کی ہوتی ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، رات کو دن کا سماں
نظر آتا ہے۔ ۲۴ر اور ۲۵ر تاریخ کی شب میں علاوہ چراغوں کے آتش بازی بھی
ہوتی ہے، اس لیے ان راتوں میں اژدحام کثیر ہوتا ہے۔ گنبد کے باہر دور دور تک
فرش یعنے صحن درگاہ پر ان کا جمع ہونا ایک قابلِ دید اور عالی شان نظارہ پیش
کرتا ہے۔ یہ حُسنِ عقیدت کے متوالے کیا ہندو، کیا مسلمان، مزار پر آکر ہمہ قسم کی
شیرینی اور خاص کر مالیدہ فاتحہ دلواتے اور نذر چڑھاکر باہر یا تو خرید و فروخت میں
مشغول ہوتے ہیں یا سیر اور تماشے میں۔ عام لوگوں کے علاوہ ابتدائے عرس سے
لے کر کل بیدر کے فقرا درگاہ کے آستانے پر آخر عرس تک جمع رہتے ہیں، ان سب کو
بر تھ یعنے چاول اور آٹا وغیرہ دیا جاتا ہے۔

اس درگاہ کو جس طرح مسلمان متبرک سمجھتے ہیں اسی طرح ہندو بھی
اس کی عزت کرتے ہیں، بلکہ مسلمانوں سے بڑھ کر آپ کا ادب کرتے ہیں، اور
آپ کی زیارت کو اپنا مذہبی فریضہ خیال کرتے ہیں اور آپ کو ولی کامل مانتے ہیں،
حصول مراد کے لیے بڑے اعتقاد سے مزار پر حاضر ہو کر جھولے اور نقرئی اشیاء وغیرہ
چڑھاتے ہیں۔ یہاں رسومات ادا کرنے والے ہندو مسلمانوں میں اس بات کے سوا
اور کوئی تمیز معلوم نہیں ہوتی ہے کہ ہندو دعا مانگتے اور اظہارِ مطلب کے وقت
عالم پر بھو، اور مسلمان حضرت سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے جس قدر

عقاید اور رسومات میں ہندو ان کا پورے طور پر تتبع کرتے ہیں۔ ہندو لوگ یہاں پوجا کرتے بحیثیت ولی اور اپنی مرادیں مانگتے اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ ہندو عورتیں یہاں قدم قدم پر سلطان ولی سجدہ کرتی ہوئی آتی ہیں، اور اسی طرح گنبد کا طواف کرتی ہیں، اور ولی بہمنی ہاتھ جوڑکر دروازۂ درگاہ پر کھڑی ہوکر مراد مانگتی ہیں۔ ان عورتوں کا اس بات پر کہ نیو نکی عقد کامل یقین ہوتا ہے کہ آپ کی درگاہ میں جو دعا مانگی جائے وہ کبھی رد نہیں ہوتی، ضرور بہ ضرور قبول ہوجاتی ہے۔ عرس میں اُن ہندو مرد اور عورتوں کا جن کی مرادیں پوری ہوجاتی ہیں باجے اور چڑھاوے کے ساتھ درگاہ پر آنا ایک نہایت دلچسپ نظارہ ہوتا ہے اور اس وقت ان کا عقیدہ اور جوشِ مسرت قابلِ دید ہوتا ہے۔

ہجوم عرس میں مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کی تعداد ہوتی ہے، ان کا اس قدر جوشِ عقیدت اور قلبی ارادت کی نسبت ہندوؤں سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اپنے عہدِ حکمرانی میں بڑے بڑے راجاؤں کو شکستیں دیں اور کئی بت خانے تڑواکر وہاں مسجدیں بنوائیں، زندگی بھر بت پرستی کی بجائے خدائے واحد کی پرستش کی نشر و اشاعت میں کوشاں رہے۔ یہ سب باتیں ہنود کے خلاف تھیں پھر ہندو اس کثرت سے درگاہ پر عقیدت مندانہ کیوں جمع ہوتے ہیں؟ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ یوں تو یہ ایک رسم قدیم سے چلی آتی ہے، لیکن آپ کا فیض عام جو بہ منزلہ خرق عادات و کرامات ہے کیا ہندو اور کیا مسلمان سب پر یکساں محیط ہے!

زندگی میں آپ کا دل روحانی نعمتوں سے آسودہ تھا، اب بھی وہی روحانی فیض آپ کا سب پر عام ہے۔ یہ درست ہے کہ جو تصرفات اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ اُن کی پُر زور روحانی طاقت سے ظہور میں آتے ہیں جو بشری یعنے مادی طاقت سے افضل و اعلیٰ ہے بلکہ اس کو الٰہی طاقت سمجھنا چاہیئے۔ پس یہ بھی آپ کی کرامت ہے کہ آپ کے

بت ملی ہونے کے مزار پر ہندوؤں اور مسلمانوں کا اتفاق و اعتقاد یکساں نظر آتا ہے۔ ایک
ان احمد شاہ ملگی ہم درد کے لیے یہ نہایت طمانیت بخش بات ہے۔ ہر ہندو جو گنبد میں
باہمنی سے داخل ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ مٹی کی ایک ایسی پیالی یا کلیا بھی لاتا ہے
یونکی عقیدت جس میں تیل بھرا ہوا ہوتا ہے، یہ تیل چراغوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ مزار کے
چار طرف چار پتلی چراغدان ہیں اور سامنے عود دان اور اس کے بازو
غلے کا صندوق رہتا ہے۔ جو آمدنی آتی ہے وہ اس صندوق ڈالی جاتی ہے۔
عرس میں یہ غلہ آمدنی سے پُر ہوتا ہے۔

مزار پر تین شامیانے استادہ ہوتے ہیں جن پر ریشم کی گل کاری
ہوتی ہے۔ شامیانے کے نیچے مزار پر زردوزی پنکھے شتر مُرغ کے
انڈے آویزاں ہیں۔ یہ عقیدت مندوں کے نذرانے ہیں، اور
بہت سی تحریری درخواستیں لٹکی ہوئی نظر آتی ہیں، ان میں یہ التجائیں
لکھی ہوتی ہیں کہ "اگر میرے حسب منشاء شادی ہو جائے تو مزار پر ایک
بکرا نذر چڑھاؤں گا۔" ایک کہتا ہے کہ "اگر میرا گُم شدہ بیل واپس آجائے یا مقدمے میں
کامیابی ہو تو اس قدر مالیدہ کی نیاز گزرانوں گا۔" غرض کوئی اولاد کا
خواستگار ہے، کوئی اپنے مرض کی شفا چاہتا ہے۔ اور کوئی قید سے
رہائی مانگتا ہے۔ اور جب آپ کے کشف و کرامات اور وسیلۂ دعا سے
خدا اُن کی مرادیں اور خواہشیں پوری کرتا ہے تو وہ علاوہ نقدی کے
اپنی مانی ہوئی منتیں چڑھا جاتے ہیں۔

آپ کے مزار پُر انوار پر ایک شان جمال برستی ہے۔ مزار پر
نظر پڑتے ہی زائرین با عقیدت کے قلب کی ایک عجیب حالت ہوتی ہے۔
اور جو بیٹھ کر مراقبہ کریں تو اُن پر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جس سے
ذوق و شوق بڑھتا ہے، اور وجد و سرور حاصل ہوتا ہے، اور
دلی خلوص اور عقیدت سے جو معروضہ آپ کی بارگاہ میں بہ غرض

بحیثیت و
سلطان
ولی بہمنی
دکنیوں کی عق

استمداد و دعا گزرانا جاتا ہے وہ کبھی خالی نہیں جاتا۔ یہ خدا کی قدرت کا ایک روشن کرشمہ اور آپ کے ولیِ کامل ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے۔ عام لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کے مزار کے مرجھائے پھول اور عود کی کھانے سے بیماروں کو شفا حاصل ہوتی ہے، اس طرح ہزاروں مریض شفایاب ہوئے اور لاکھوں اپنی مراد سے فیض یاب ہوئے، اور ہو رہے ہیں۔ جس طرح آپ نے اپنی زندگی میں خلق اللہ پر رحم و کرم سے بادشاہی کی اسی طرح اب آپ کا روحی فیضان بھی جاری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ بڑے کامل بزرگ اور صاحبِ حال تھے علمِ ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔ آپ کے حالات سے واضح ہوگا کہ آپ کو حضرت سید محمد بندہ نواز حسینیؒ سے کیسی عقیدت تھی۔ حضرت کی بیعت نے آپ کو فقر کا وہ درجہ عطا کیا کہ آپ ولیِ کامل ہوگئے۔ آپ صرف بادشاہ ہی نہیں تھے بلکہ صاحبِ کشف و کرامات بھی تھے۔ جب آپ کی دعا سے رفعِ امساکِ باراں ہوا تو آپ کی ولایت کی شہرت دور، دور تک پھیلی، اب تک بھی آپ کی کرامتیں برابر جاری ہیں، اور سب آپ کو ولیِ کامل مانتے ہیں۔ دور، دور سے ہزاروں زایرین اور معتقدین آپ کے گنبد پر آتے ہیں اور دامنِ مقصود گلِ مراد سے بھر کر واپس جاتے ہیں۔

آپ کا گنبد اور دیگر گنبد ہائے سلاطینِ بہمنیہ ایسے پُرفضا مقام میں واقع ہیں جہاں کا منظر نہایت ہی خوش نما ہے۔ ہر طرف سبز کھیت ہیں۔ قرینے سے جو درخت نصب ہیں وہ اپنی بہار الگ دکھا رہے ہیں اور پانی کے نالوں اور چشموں کے بہتے رہنے سے بیدر بھر میں اس سے بہتر مقام نہیں ہے، کیوں کہ بیدر میں پانی کی قلت ہے اور یہاں چشمہ ہائے آب اور سرسبز میدان و اشجار سے جو رونق اور سہانا پن ہے وہ کسی دوسرے مقام پر بیدر بھر میں نہیں ہے۔ عرس میں تو کوئی جگہ آدمیوں سے خالی نہیں ہوتی۔ جس قدر زایرین دور دور سے آتے ہیں وہ سب میدانوں میں درختوں کے نیچے اترتے ہیں یا نہر کے بازو سب لوگ یہاں کے چشموں کا پانی استعمال کرتے ہیں جو مزے میں نہایت شیریں، مفرح اور صحت بخش ہے۔

یوں تو بیدر اولیائے کرام اور فقرائے عظام کا مخزن ہے، مگر ہندو اور مسلمانوں کو ارادت، قلبی اور گرویدگی جس طرح آپ سے ہے اور کسی درگاہ سے نہیں ہے، اس وجہ سے آپ کا گنبد زیارت گاہِ خلق اللہ ہے، اور عام و خاص آپ کے فیض سے بہرہ یاب ہوتے ہیں آپ کے ولی کامل ہونے کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

مطبوعات مجلس علمیہ طیلسانین عثمانیہ